وقد اخذ میثاقکم ان کنتم مؤمنین

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

مرکزی مکتبہ تنظیم اسلامی

مقام اشاعت :- ۳۶-کے- ماڈل ٹاؤن - لاہور

Siddiq Sons Industries Ltd.

Largest Manufacturers & Exporters of :

WATERPROOF COTTON CANVAS, TARPAULINS, TENTS, WEBBING AND OTHER CANVAS PRODUCTS,

HEAD OFFICE :

709, 7TH FLOOR, QAMAR HOUSE,
M.A. JINNAH ROAD, KARACHI (PAKISTAN)

~~2 - K~~ GULBERG II, SHAHRAH-E-IQBAL, LAHORE.
TELEFHONE : 870512 880731

ماہنامہ

میثاق

لاہور

جلد ۳۲ | شمارہ ۱۱ | صفر المظفر ۱۴۰۴ھ مطابق نومبر ۱۹۸۳ء

ادارۂ تحریر

شیخ جمیل الرحمٰن

حافظ عاکف سعید

سالانہ زرِ تعاون

/۳۰ روپے

قیمت فی شمارہ

۳ روپے

ناشر

ڈاکٹر اسرار احمد

طابع

چودھری رشید احمد

مطبع

مکتبہ جدید شارع فاطمہ جناح لاہور

مکتبہ تنظیم اسلامی

فون : ۸۵۲۶۱۱

سب آفس: ۱۱ داؤد منزل۔ نزد آرام باغ۔ شاہراہ لیاقت۔ کراچی۔ فون برائے رابطہ ۲۱۴۷۰۹

مشمولات

عرضِ احوال ۳
عاکف سعید

نوعِ انسانی کا واحد اور آخری سہارا ۵
ڈاکٹر اسرار احمد

شرک اور اقسامِ شرک ـــــــ ۱۱
ڈاکٹر اسرار احمد

اصلاحِ معاشرہ کا انقلابی پہلو ـــــ ۳۱
ڈاکٹر اسرار احمد

تعلیم و تربیت کے اصول ـــــ ۴۸
مولانا وصی مظہر ندوی

ہمارا ایمان ـــــــ ۵۷
ملک محمد اقبال واحد

اظہارِ حق ـــــــ ۶۱
(قادیانیت اپنے لٹریچر کے آئینہ میں)
قاری نصیر احمد

یادِ رفتگاں ـــــ ۶۷
پروفیسر عبدالرحمٰن

رفتارِ کار ۷۳

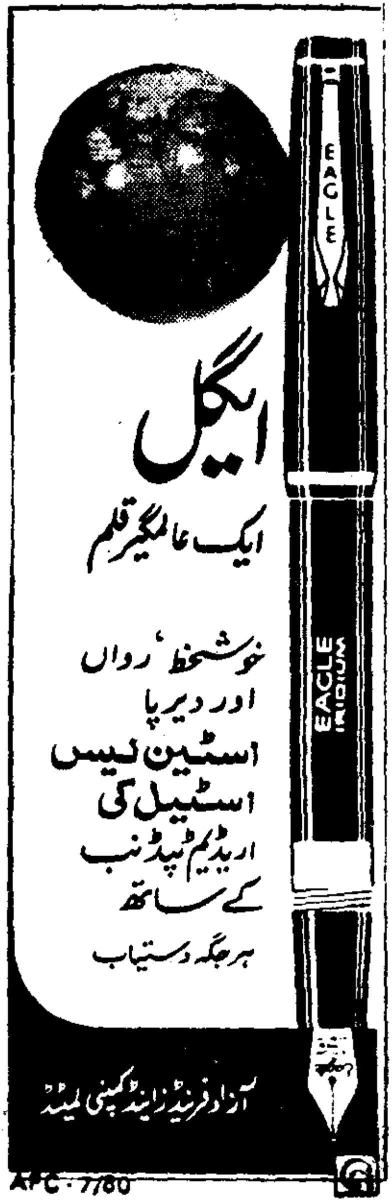

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور
کی مطبوعات میں
ایک اہم اضافہ

★

سانحۂ کربلا

ڈاکٹر اسرار احمد
کی
ایک اہم تقریر جواب کتابی شکل میں
شائع کی گئی ہے

صفحات — ۴۸
قیمت: ۳ روپے صرف
ملنے کا پتہ
۳۶ - کے ماڈل ٹاؤن لاہور
فون: - ۸۵۲۶۱۱

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ احوال

گذشتہ چار پانچ ماہ سے میثاق کی اشاعت میں کسی قدر بے قاعدگی ہو رہی تھی اور تقریباً ہر ماہ ہی پرچے کی اشاعت میں تاخیر ہو جاتی تھی - یہ معاملہ دو ماہ قبل اپنے عروج پر پہنچ گیا تھا جب پاکستان کی موجودہ سیاسی صورتِ حال پر والد محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی ایک تقریر کو شامل کرنے کے لئے اشاعت کو مزید تعویق میں ڈالنا پڑا --- اس دفعہ اس امر کا خصوصی اہتمام کیا گیا ہے کہ پرچہ بروقت یعنی یکم تاریخ تک طبع ہو جائے تاکہ قارئین انتظار کی زحمت اور کوفت سے بچ جائیں - آئندہ بھی اس معاملے پر ان شاء اللہ خصوصی توجہ دی جائے گی -

چھ سال قبل جولائی ۷۷ء میں میثاق کے ان صفحات میں شرک کے موضوع پر والد محترم کی تقاریر بعنوان "شرک اور اقسام شرک" کی سلسلہ وار اشاعت کا آغاز ہوا تھا - یہ سلسلہ دس اقساط پر مشتمل تھا - الحمد للہ علماء کے حلقوں میں اس مضمون کی غیر معمولی پذیرائی ہوئی تھی اور اسے بہت مفید قرار دیا گیا تھا --- لیکن اُن دنوں 'میثاق' کی اشاعت بہت محدود تھی اور مستقل قارئین کی تعداد بہت کم تھی --- اِدھر گذشتہ تین سال سے میثاق کی اشاعت میں کئی گنا اضافہ ہوا ہے - اور یہ رسالہ اب خاصے وسیع حلقے میں پڑھا اور پسند کیا جانے لگا ہے --- چنانچہ متذکرہ بالا مضمون کی افادیت کے پیش نظر یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ اِسے میثاق میں دوبارہ شائع کیا جائے - تاکہ وہ قارئین جو گذشتہ تین سال کے عرصے کے دوران میثاق سے متعارف ہوتے ہیں وہ اس اہم مضمون سے محروم نہ رہیں --- حسنِ اتفاق سے 'الہدیٰ' کی سلسلہ وار اشاعت کے

ضمن میں جو درس آئندہ شامل اشاعت ہوگا وہ بھی شرک کی بحث پر مشتمل ہے۔ لیکن 'الہدیٰ' میں چونکہ تنگیٔ وقت سے سابقہ تھا لہذا وہاں یہ بحث نہایت اختصار سے آئی تھی اور اس کے بہت سے پہلو وہاں تشنہ رہ گئے تھے جب کہ 'شرک اور اقسام شرک' نامی مضمون میں اس اہم موضوع پر پوری تفصیل سے بحث کی گئی ہے اور اس موضوع کے جملہ پہلوؤں پر نہایت تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے ۔۔ اس سلسلے کا آغاز ہم نے اسی اشاعت سے کر دیا ہے۔

'سانحۂ کربلا' نامی کتابچہ جس کی متوقع اشاعت کا اعلان پچھلے ماہ کے میثاق میں کیا گیا تھا حسب پروگرام چھپ کر آ گیا تھا۔ کتابچہ ہاتھوں ہاتھ لیا گیا اور اب صورت حال یہ ہے کہ ساڑھے پانچ ہزار میں سے چند سو نسخے باقی ہیں اور دوسرے ایڈیشن کے لئے تیاری کا آغاز ہو چکا ہے۔ "ہماری دینی ذمہ داریاں اور اُسوۂ رسولؐ" کے عنوان سے والد محترم کی ایک تالیف ان شاء اللہ العزیز عنقریب طبع ہو جائے گی۔ جس سے تنظیم اسلامی کی دعوت کو سمجھنے میں سہولت ہو گی۔ اور اُسوۂ رسولؐ کی روشنی میں دینی ذمہ داریوں کا ایک جامع تصور سامنے آئے گا۔

'محاضراتِ قرآنی' کا سلسلہ حسب اعلان ۲۸ اکتوبر تا یکم نومبر جاری رہے گا۔ ان محاضرات کے مرکزی مقرر مولانا سعید احمد اکبر آبادی ہوں گے۔ آخر میں یہ اطلاع دیتا چلوں کہ ہمارے بزرگ رفیق کار محترم شیخ جمیل الرحمٰن صاحب کی کراچی سے آمد میں قدرے تاخیر ہو گئی ہے۔ وہ ہنوز تشریف نہیں لا سکے ہیں لیکن تازہ اطلاع یہ ہے کہ وہ پرسوں یعنی ۲۸ اکتوبر کو لاہور پہنچ جائیں گے۔ ان شاء اللہ العزیز ۔۔۔

عاکف سعید

۸۳/۱۰/۲۶

نوعِ انسانی کا واحد اور آخری سہارا

قرآنِ حکیم

ایک نشری تقریر —— از ڈاکٹر اسرار احمد

ہر باشعور انسان جانتا ہے کہ انسانی شخصیت دو چیزوں کا مجموعہ ہے ایک فکر اور دوسرے عمل - اور ان دونوں کے مابین رابطہ یا LINK کا کام دیتی ہے قوت ارادی ۔ چنانچہ اگر انسان کی فکر درست ہو اور ساتھ ہی قوت ارادی بھی مضبوط ہو تو عمل بھی لازماً درست ہو جائیگا۔ لیکن اگر قوت ارادی کمزور اور مضمحل ہو تو فکر اور عمل کا رابطہ بھی کمزور پڑ جائے اور فکر کی درستی بھی عمل کی صحت پر منتج نہ ہو سکے گی اور صورت وہ ہوگی جو غالب نے اپنے اس شعر میں بیان کی ہے کہ ؎

"جانتا ہوں ثواب طاعت و زہد
پر طبیعت ادھر نہیں آتی !"

بصورت دیگر اگر فکر ہی غلط اور کج ہو تو انسان کا عمل لازماً غلط ہوگا بالکل اس شعر کے مصداق کہ ؎

"خشتِ اوّل چوں نہد معمار کج
تا ثریا می رود دیوار کج"

یا اس شعر کے مصداق کہ ؎

"ترسم کہ بہ کعبہ نہ رسی اے اعرابی
کیں راہ کہ تو می روی بہ ترکستان است !"

ایسی صورت میں قوت ارادی کے ضعیف و مضمحل یا توانا و صحت مند ہونے کا اثر صرف

کج روی کی رفتار پر ہی پڑ سکتا ہے - گویا اس صورت میں انسان کی کمزور قوتِ ارادی اس کے حق میں مآلِ کار کے اعتبار سے مفید ہی رہے گی کہ غلط راہوں پر اس کی پیش قدمی سست رفتاری سے ہوگی -

اب اگر آسمانی وحی سے قطع نظر انسانی فکر کا فی نفسہٖ جائزہ لیا جائے تو نظر آتا ہے کہ دو چیزیں اس کے لئے تانے بانے کی حیثیت رکھتی ہیں : ایک حواسِ ظاہری سے حاصل شدہ معلومات اور اسکی ترتیب و تدوین اور اس طرح حاصل شدہ SENSE - DATA کی PROCESSING پر مستزاد استدلال و استنباط جس میں استخراجی منطق (DEDUCTIVE LOGIC) استعمال ہوتی ہے اور دوسرے وہ منطقِ خالص جسے چاہیں تو استقراء (INDUCTION) سے تعبیر کر لیں جو عظیم تر اور وسیع تر حقائق سے نتائج اخذ کرتی ہے - اور ایک جامع اور گمبھیر فکر کا ہیولیٰ تیار کرتی ہے - اس دوسرے جزو میں لامحالہ کچھ حصّہ انسان کے وجدان (INTUTION) کا بھی شامل ہو جاتا ہے -

اب فکر انسانی کے ان دونوں اجزائے ترکیبی کا جائزہ لیا جائے تو ان میں سے پہلا تو نہایت محدود بھی ہے اور مسلسل ترقی پذیر بھی - چنانچہ آج سے دو ہزار سال قبل کے انسان کا SENSE - DATA بہت مختصر تھا آج کے انسان کے SENSE - DATA کے وسیع و عریض ذخیرے کے مقابلے میں، تاہم آج بھی کوئی نہیں کہہ سکتا کہ وہ کامل ہو گیا ہے - ہو سکتا ہے کہ آج سے چند سو سال بعد کا انسان آج کے انسان کے ذخیرۂ معلومات پر زہر خند کے ساتھ تحقیر آمیز تبصرہ کرے رہا جزوِ ثانی تو وہ اگرچہ بظاہر پہلے کی نسبت وسیع تر ہے اور کسی قدر آزاد فضاؤں میں جولانیاں دکھاتا نظر آتا ہے - تاہم ذرا دقّتِ نظر سے جائزہ لیا جائے تو صاف محسوس ہوتا ہے کہ وہ بھی اپنی اصل کے اعتبار سے پہلے ہی سے بندھا ہوا ہے -

نتیجہ یہ نکلا کہ فکرِ انسانی فی نفسہٖ کبھی بھی کامل نہیں ہو سکتی اور محض اس پر مبنی عمل لامحالہ محدود بھی رہے گا اور کج ہونے کے خطرہ سے بھی کبھی بالکلیہ آزاد نہ ہو سکے گا - اور اجتماعی سطح پر اس کے نتیجے میں انسان کے حصّہ میں یا TRIAL & ERROR کی ٹامک ٹوئیاں آئیں گی یا EXTREMES یعنی افراط و تفریط

کے دے سکے -

کامل فکر تو ظاہر ہے کہ صرف اس ہستی کا ہو سکتا ہے جس کا علم کامل ہو اور نہ صرف ظاہر و باطن اور غیب و شہود سب پر حاوی ہو بلکہ ماضی، حال اور مستقبل یعنی ما کان، اور ما یکون، سب کا احاطہ کئے ہوئے ہو۔ پھر اس علم کامل پر مستزاد اس کی حکمت بھی ہر پہلو سے کامل ہو۔ ایسی ہستی ظاہر ہے کہ صرف ایک ہی ہو سکتی ہے - اور وہ ہے اللہ تبارک وتعالیٰ جو "عالم الغیب والشہادۃ" بھی ہے اور "بکل شیئٍ علیم" بھی اور ساتھ ہی حکمت کاملہ و بالغہ سے بھی متّصف ہے -

گویا فکرِ انسانی ہمیشہ محتاج رہے گی اس ہستی کامل العلم والحکمۃ کی رہنمائی کی - جسے قرآنی اصطلاح میں ہدایت سے تعبیر کیا جاتا ہے -

اگر ہم سورہ بقرہ کے چوتھے رکوع کے مضامین پر غور کریں جو فلسفہ و حکمت قرآنی کی اساسات کی تعیین میں منفرد اہمیت کا حامل ہے تو یہ دلچسپ صورت نظر آتی ہے کہ فرشتوں کی جانب سے پیش شدہ اشکال کو رفع کرنے کے ضمن میں آدم کے خلافتِ ارضی کی اہلیت کی دلیل کے طور پر تو پیش کیا گیا "علم الاسماء" کو - اور پھر جب آخر میں پروانہ خلافت کے ساتھ اترنے اور بالفعل زمین کا چارج لینے کا حکم دیا گیا تو ساتھ ہی اس چارٹر کا اعلان بھی کر دیا گیا کہ "فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُم مِّنِّي هُدًى فَمَن تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ه وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ه" یعنی "جب بھی میری جانب سے تمہارے لئے ہدایت پہنچے تو جو اسکی پیروی کرے گا اس پر نہ کوئی خوف ہوگا نہ وہ رنج و غم سے دوچار ہوں گے اور جو انکار کریں گے اور ہماری آیات کو جھٹلائیں گے تو وہ ہوں گے آگ والے جس میں وہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے"۔

اب ظاہر ہے کہ "علم الاسماء" سے مراد ہیں مادی اور طبعی علوم جو بالقوہ یعنی POTENTIALLY ودیعت کر دیئے گئے تھے آدم کی سرشت میں اور جن کا ظہور یا EXFOLIATION ہے کل کا کل سائنسی اور تکنیکی علم -

اور سلسلۂ ہدایت سے مراد ہے سلسلۂ وحی سلسلہ انبیاء و رسل اور سلسلہ کتب سماویہ۔ جس کی آخری اور کامل کڑی ہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن حکیم۔ بقول علامہ اقبال مرحوم و مغفور

نوعِ انساں را پیامِ آخریں　　حاملِ او رحمۃ للعلمیں

قرآن حکیم نے سورہ مائدہ میں تورات اور انجیل دونوں کے بارے میں فرمایا ہے "فیہ ھدیً ونورٌ" یعنی ان میں ہدایت بھی تھی اور روشنی بھی لیکن قرآن اپنے آپ کو تعبیر فرماتا ہے۔ "الھدیٰ" اور "النور" کے الفاظ سے یعنی ہدایت کاملہ اور نور کامل۔ اس میں اشارہ ہے اس حقیقت کی ——— طرف کہ جب تک انسان بحیثیت مجموعی عقلی اور شعوری اعتبار سے بلوغ کو نہ پہنچا تھا اسے درمیانی عرصے یعنی INTERIM PERIOD کے لئے ہدایات یعنی "COMMANDMENTS" دی جاتی رہیں۔ لیکن جب نسل آدم عقلی اور شعوری اعتبار سے سن شعور کو پہنچ گئی بقول علامہ اقبال ع "جب ذرا آدم ہوا ہے خود شناس و خود نگر!" تو اسے آخری اور کامل ہدایت نامہ دے دیا گیا اور وہ ہے ہدایت کاملہ یعنی "الھدیٰ" اور نور کامل یعنی "النور" یہی وجہ ہے کہ بعثت محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے کل چھ سو سال قبل حضرت مسیح علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے حواریین سے یہ فرماتے نظر آتے ہیں کہ "مجھے ابھی تم سے اور بہت کچھ کہنا تھا لیکن ابھی تم اس کا تحمل نہیں کر سکو گے۔ البتہ میرے بعد جو آئیں گے وہ تمہیں ساری باتیں بتا دیں گے!" ——— چنانچہ جب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور آپؐ نے قرآن پیش کیا تو اس دعویٰ کے ساتھ کہ:

وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ لٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ	یعنی — یہ قرآن ایسی کتاب ہی نہیں جسے اللہ کے سوا کوئی اور تصنیف کر سکے۔ بلکہ یہ تو ایک جانب سابقہ کتب کی تصدیق کرتی ہے اور دوسری

— مَا كَانَ حَدِيثًا يُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ وَّ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ (يوسف ۱۱۱)

جانب ان پیشینگوئیوں کی مصدق بن کر آئی ہے جو ان میں وارد ہوئی تھیں - اور اس میں کتاب و شریعت کی کل تفصیل درج ہے اور یہ اہل ایمان کے حق میں ہدایت بھی ہے اور رحمت بھی!

گویا اب تا قیام قیامت فکر انسانی کو زیغ اور کجی سے بچانے کے لئے واحد سہارا قرآن حکیم ہے — واضح رہے کہ قرآن اپنے آپ کو "الذکر" بھی قرار دیتا ہے -

اس اعتبار سے علامہ اقبال مرحوم و مغفور کے یہ اشعار بہت قابل توجہ ہیں :

جز بہ قرآن ضیغمی روباہی است — فقر قرآں اصل شاہنشاہی است
فقر قرآں اختلاط ذکر و فکر — فکر را کامل نہ دیدم جز بہ ذکر

یعنی فکر انسانی اس وقت تک صحیح رُخ پر آگے نہیں بڑھ سکتی جب تک کہ وہ "الذکر" یعنی قرآن حکیم سے مسلسل رہنمائی نہ لیتی رہے !

ڈاکٹر اسرار احمد

کے دروس قرآن حکیم اور خطابات کے
نشر القرآن کیسٹ سیریز، کراچی میں حسب ذیل پتہ پر دستیاب
ہیں شائنگ ٹریڈرز - رفیع مینشن بالمقابل آرام باغ -
شاہراہ لیاقت - کراچی ، فون ۲۱۴۷۰۹

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ

سورۃ الاسراء۔ الآیہ ۸۲

عطیہ: حاجی محمد سلیم

حاجی شیخ نورالدین اینڈ سنز لمیٹڈ (Exporters)

۳۰۱ ، لنڈا بازار، لاہور۔ ۳۰۶۴۶۸ / ۳۰۵۴۶۹

شرکِ اَور اقسامِ شرک

اگست ۱۹۷۶ء میں راولپنڈی کی ہفت روزہ قرآنی تربیت گاہ میں ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے "شرک اور اقسامِ شرک"۔ "حقیقتِ ایمان" اور "حقیقتِ نفاق" پر تقاریر کی تھیں۔ راقم الحروف کی رائے میں یہ تینوں خطابات ڈاکٹر صاحب کے اہم ترین خطابات میں شمار کیے جاسکتے ہیں۔ راقم پہلا خطاب ٹیپ سے منتقل کر رہا ہے، جس کی پہلی قسط پیشِ خدمت ہے۔ اِنْ شاء اللہ بقیہ اقساط بالترتیب آئندہ 'میثاق' میں پیش کی جائیں گی۔ خواہش یہ تھی کہ ڈاکٹر صاحب اُس پر نظرِ ثانی کر لیتے تو اُس کی افادیت میں اضافہ ہو جاتا۔ لیکن موصوف نظرِ ثانی تو درکنار اِس کو سرسری طور پر پڑھنے کا بھی وقت نہ نکال سکے۔ چنانچہ اس مضمون میں اگر کوئی خطا ہے تو اُس کی ذمہ داری راقم الحروف پر ہے، جس کے لیے یہ عاجز اللہ تعالیٰ سے عفو کا طالب ہے۔ اگر صواب ہے تو وہ منجانب اللہ ہے۔ اس پہلی قسط میں "شرک فی الذّات" کی بحث مکمل ہو گئی ہے اب اِنْ شاء اللہ دو اقساط میں "شرک فی الصّفات" اور "شرک فی الحقوق" کے مباحث بیان ہوں گے۔ (جمیل الرّحمٰن)

خُطبۂ مسنونہ، تلاوتِ آیات اور دُعا کے بعد:۔

حضرات و خواتین!

ہمارے دین کی تعبیر کے لیے اگر کسی ایک اصطلاح کی ضرورت ہو جو اُس کی پُوری حقیقت کو محیط اور اُس کے جملہ مقتضیات اور پہلوؤں پر حاوی ہو تو وہ اصطلاح یہ ہے کہ ہمارا دین — دینِ توحید ہے، اور اِس دین میں سب سے بڑا گناہ، سب سے بڑا جرم اور سب سے بڑی معصیت جو قطعی ناقابلِ عفو ہے، وہ شرک ہے۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کو بیان کرنے کی چنداں ضرورت نہیں، ہر مسلمان اِس سے واقف ہے۔ میرا ذاتی احساس یہ ہے کہ ہر خیر، خوبی، بھلائی اور نیکی چاہے

وہ عمل کی ہو، سیرت کی ہو، کردار کی ہو، علم اور نظریہ وخیال کی ہو وہ درحقیقت نقطۂ توحید ہی کا پھیلاؤ ہے اور ہر گمراہی، زیغ، کجی اور معصیت وضلالت، چاہے وہ اخلاق وکردار کی ہو چاہے وہ نظریہ وخیال اور علم وفکر کی ہو، اُس کے ڈانڈے کہیں نہ کہیں شرک سے جا ملتے ہیں۔ گویا ہمارا دین بقول علامہ اقبال کیا ہے؟ "فقط اِک نقطۂ ایمان کی تفسیریں" پس معلوم ہوا کہ ایک نقطۂ توحید کا پھیلاؤ ہی ہمارا دین، دینِ اسلام ہے۔ اور اِس اصُول کے تحت کہ :—
تُعْرَفُ الْأَشْيَآءُ بِأَضْدَادِهَا "یعنی اشیاء کی صحیح معرفت اُن کی ضد کی پہچان سے حاصل ہوتی ہے" تو علمِ توحید کے حصُول کا ایک ذریعہ یہ بھی ہے کہ شرک اور اُس کی جُملہ اقسام کی معرفت حاصل ہو جائے اور انسان یہ جان لے کہ یہ شرک کن کن صورتوں میں حملہ آور ہوتا ہے اور کیسے کیسے بھیس بدل کر آتا ہے۔ کن کن راستوں سے توحید کی پونجی پر ڈاکہ ڈالتا ہے۔ چنانچہ شرک کے مکمل فہم کے حصُول کے بعد ہی کسی مسلمان کے لیے ممکن ہو جائے گا کہ وہ اپنی حقیقی اور بیش بہا متاعِ ایمان کی حفاظت کر سکے۔ جہاں تک شرک کی مذمت کا تعلق ہے مَیں سمجھتا ہوں کہ اِس پر مجھے آپ کا کچھ وقت لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ میرا ذاتی احساس یہ ہے کہ ہر مسلمان کی گھٹی میں یہ بات موجود ہے کہ وہ شرک کو ایک مذموم شے مانتا ہے — اُس کو مغالطہ لاحق ہو سکتا ہے، غلط فہمی ہو سکتی ہے کہ وہ شرک کی کسی نوع کو شرک ہی نہ سمجھ رہا ہو۔ پہچان ہی میں اُس سے تقصیر اور کوتاہی ہو رہی ہو۔ لیکن مسلمان کا خمیر جس مٹی سے اُٹھا ہے اور اُس کی گھٹی میں جو چیزیں پڑی ہوئی ہیں، اُن میں سے ایک شرک سے نفرت بھی ہے۔ اور وہ کوئی ایسا عمل نہیں کر سکتا جس کو وہ شعوری طور پر شرک سمجھتا ہو

شرک ناقابلِ عفو جرم ہے

اِس اعتبار سے شرک کی مذمت میں مجھے دلیلیں قائم کرنے کی چنداں حاجت نہیں ہے۔ اِس مقصد کے لیے سُورۂ نساء کی یہ آیت کفایت کرتی ہے جو اسی سُورۂ مبارکہ میں دو جگہ تقریباً ایک جیسے الفاظ میں وارد ہوئی کہ :—

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ○ (نساء - ۱۱۶)	بے شک اللہ اس چیز کو نہیں بخشے گا کہ اُس کا شریک ٹھہرایا جائے، اس سے نیچے جس کے لیے چاہے گا بخش دے گا اور جو اللہ کا شریک ٹھہرائے گا وہ بہت دُور کی گمراہی میں جا پڑا۔

مبادا کوئی غلط فہمی راہ پا جائے اِس لیے عرض کرتا ہوں کہ اِس ارشاد کو کہ "شرک کے سوا سب کچھ معاف ہو سکتا ہے" کھلا لائسنس نہ سمجھ لیا جائے کہ اب کھلی چھوٹ مل گئی ہے، کھلا وعدہ حاصل ہو گیا ہے

لہٰذا شرک کے علاوہ جو چاہو کرو، یہ مطلب ہرگز نہیں ہے فرمایا گیا ہے کہ : وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ ط ــــ یہاں اُمید ضرور دلائی گئی ہے کہ اللہ جس کے لیے چاہے گا دوسرے گناہ معاف فرما دے گا ــــ پس دوسری معصیتوں اور نافرمانیوں سے بچنے کی پوری کوشش لازمی و لابدی ہے۔ البتہ شرک وہ گناہ ہے، وہ جُرم ہے جس کے لیے واضح طور پر اعلان کر دیا گیا کہ یہ ناقابلِ عفوو معافی ہے۔

حضرت ابراہیمؑ کی خاص صفت

آپ کو معلوم ہے کہ قرآن مجید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بار بار ذکر آیا ہے۔ حضرتِ ابراہیمؑ ابُوالانبیاء ہیں، امامُ النّاس ہیں، خلیلُ اللہ ہیں لیکن اکثر و بیشتر قرآن مجید میں اُن کے ذکر کے آخر میں یہ الفاظ آتے ہیں کہ : وَمَا کَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ط "اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھا" ــــ میرا ذاتی احساس یہ ہے کہ حضرتِ ابراہیمؑ کی شرک سے براءت وہ سب سے اعلیٰ و بلند و بالا سند ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملی ہے۔ اِسی بات سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ایک انسان کے لیے سب سے اُونچا تصدیق نامہ اور سند (CERTIFICATE AND - TESTIMONIAL) - اللہ تعالیٰ کی جناب سے یہی ہے کہ وہؔ خود اُس کے مشرک ہونے کی نفی فرما دے : وَمَا کَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ط اس سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ شرک کے کسی داغ اور دھبّے کی آلودگی سے اپنے دامن کو بچانا کس قدر مشکل کام ہے۔ اِسی مفہوم کو علاّمہ اقبال نے یوں ادا کیا کہ ـــــ

براہیمی نظر پیدا مگر مشکل سے ہوتی ہے ❊ ہوس چھُپ چھُپ کے سینوں میں بنا لیتی ہے تصویریں

یہ صلاحیت کہ انسان پہچان لے کہ شرک کیا ہے اور اُس کی اقسام، اُس کے بھیس اور رُوپ کیا کیا ہیں، اِس شعر کے مصداق ـــــ

بہر رنگے کہ خواہی جامہ مے پوش ❊ من اندازِ قدت را می شناسم

"تم جس رنگ کا چاہو لباس پہن لو! مَیں تم کو تمہارے قد سے پہچان لوں گا" ــــ اُسی طریقہ سے شرک کی ایسی معرفت اور ایسی پہچان ایک بندۂ مومن کے لیے ضروری ہے کہ خواہ وہ کیسے ہی بھیس بدل کر آئے، کیسی ہی شکلیں اختیار کرے، مسلمان اُس کو پہچان لے ــــ وہ جان لے کہ شرک کی بیماری کس لبادے میں مستور ہے، یہ شراب کس نئی بوتل اور نئے لیبل کے ساتھ آئی ہے لیکن اپنی جگہ امرِ واقعہ یہ ہے کہ شرک کی لعنت و معصیت کی پہچان آسان کام نہیں اور نہ یہ ہر کس و ناکس کے بس کا روگ ہے۔ یہ ایسی موذی بلا ہے اور ایسے بھیس بدل کر متاعِ ایمان پر چھاپا مارتی ہے کہ غیر محسوس طور

غیر شعوری طور پر خود اہلِ ایمان اور مدعیانِ توحید کی اکثریت کے لیے بھی اُس کی چھوت سے بچنا مشکل ہو جاتا ہے، جیسا کہ سورۂ یوسف میں فرمایا:

وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ ۝ (آیت ۱۰۶)

"اور اُن (مدعیانِ ایمان) میں سے اکثر اللہ پر (حقیقی و کامل توحید کے ساتھ) ایمان نہیں رکھتے (ایمان رکھتے ہیں) مگر اس طرح کہ ساتھ ہی اس کے شریک بھی ٹھہرائے ہوئے ہیں"۔

اس آیتِ کریمہ سے شرک کی ہمہ جہتی اور ہمہ گیری کا اندازہ ہوتا ہے۔ درحقیقت شرک توحید کی ضد ہے اور شیطان کا سب سے بڑا جال اور سب سے بڑا فریب ہے جس سے وہ کھلے مشرکوں کے مقابلے میں مدعیانِ توحید کو شکار کرنے کے لیے اپنے ہتھکنڈے استعمال کرتا ہے۔

اقسامِ شرک کا استقصاء حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق کتبِ سیر میں یہ واقعہ بیان ہوا ہے کہ اُن کے سامنے کسی شخص کے زہد و تقویٰ اور عبادت و تقویٰ کی تعریف اِن الفاظ میں کی گئی کہ: "وہ جانتا ہی نہیں کہ گناہ کیا ہے" تو حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا کہ: "ایسے شخص کا گناہ میں مبتلا ہونے کا بہت زیادہ احتمال و امکان ہے"۔ چنانچہ شرک کی لعنت اور شیطان کے اِس فریب سے بچنے کی واحد صورت یہ ہے کہ اقسامِ شرک کا استقصاء کیا جائے، اُس کی معرفت حاصل کی جائے۔ اُس کے ہر بھیس اور رُوپ کو سمجھا جائے تاکہ اُس سے محفوظ و مامون ہونے کی ہر مسلمان شعوری طور پر کوشش کر سکے۔

لہٰذا میری آج کی گفتگو کا اصل موضوع اقسامِ شرک ہے۔ شرک کی قسموں کو مختلف انداز و اسلوب سے بیان کرنے کی کوششیں ہر دَور میں کی جاتی رہی ہیں۔ مثلاً بیان کیا جاتا ہے کہ ایک شرک اعتقادی ہوتا ہے اور ایک شرک عملی ہوتا ہے۔ یعنی شرک کی بڑی بڑی دو اقسام مُعین کی جاتی ہیں۔ ایک شرک اعتقادی دوسرا شرک عملی۔ ایک تقسیم یہ بھی کی گئی ہے کہ کچھ شرک جلی ہوتے ہیں اور کچھ شرک خفی ہوتے ہیں یعنی شرکِ جلی اور شرکِ خفی ـــــ میں جس نہج پر اقسامِ شرک کا ایک خاکہ آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں وہ اُن تقسیموں سے قدرے مختلف ہے۔ میں اپنے مطالعۂ خاص کر قرآن مجید میں غور و تدبّر کے نتیجے میں جہاں تک سمجھا ہوں وہ یہ ہے کہ شرک کی تین نمایاں ترین اقسام ہیں:-

شرک کی تین اقسام ایک شرک ہے، شرک فی الذّات، دوسرا شرک ہے، شرک فی الصّفات اور تیسرا شرک ہے، شرک فی الحقوق جسے شرک فی العبادت بھی کہا جا سکتا ہے ـــــ

شرک فی الذّات یہ ہے کہ خدا کی ذات میں کسی کو اُس کا ساجھی، اُس کا ہمسر، اُس کا ہم کفو، اُس کا ہم پلّہ، اُس کا نِد اور اُس کا ضِد بنا دیا جائے۔ یہ عُریاں ترین شرک ہے، بدترین شرک ہے، سب سے گھناؤنا شرک ہے۔ اِس کی ایک تعبیر یوں بھی کی جا سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اُس کے مقامِ ارفع و اعلیٰ سے گرا کر اُس کو مخلوق کی صف میں لا کھڑا کیا جائے۔ یا مخلوق میں سے کسی کو اٹھا کر اُس کو اللہ تبارک و تعالیٰ عزّ و جلّ کے برابر لا بٹھایا جائے۔

شرک فی الصّفات یہ ہے کہ خدا کی صفات میں مخلوقات میں سے کسی کو اُس کا ہمسر بنا دیا جائے مشابہت پیدا کر دی جائے، جو اللہ کی صفات میں سے کسی مخلوق کے لیے بھی کوئی ابدی صفت تسلیم کر لی جائے۔ مخلوقات میں سے بھی کسی کو رازق، خالق، سمیع و بصیر، مولا، دستگیر، حامی و ناصر اور حاضر و ناظر بالفعل و بالذّات مان لیا جائے۔ صفاتِ الٰہی کے لیے دیوتا اور دیویاں گھڑ لی جائیں مظاہرِ قدرت کو آزادانہ تصرّف اور نفع و ضرر پہنچانے والا تسلیم کر لیا جائے۔

شرک فی الحقوق یہ ہے کہ خدا کے حقوق میں سے کسی حق میں مخلوقات میں سے کسی کو اللہ کے برابر لا کر بٹھا دیا جائے، برا جمان کر دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کا حق ہے کہ صرف اُس کی اطاعت کی جائے اور اُس کی اطاعت کے دائرے میں مخلوقات میں سے اُن کی اطاعت کی جائے، جن کی اطاعت کا اللہ نے حکم دیا ہے۔ اور اُسی حد تک کی جائے جس حد تک اطاعت کا حکم ہے۔ اللہ کا حق ہے کہ صرف اُس کی عبادت کی جائے، صرف اُسی سے دُعا کی جائے۔ اللہ کا حق ہے کہ ہر قسم کے مراسمِ عبودیّت اُسی کے لیے بجا لائے جائیں۔ اللہ کا حق ہے کہ صرف اُس سے محبّت کی جائے اور مخلوقات میں سے ہر ایک کی محبّت اللہ کی محبّت کے تابع ہو۔ اللہ کا حق ہے کہ خوف و رجا اور بیم و امید صرف اُس کی ذات سے وابستہ ہو۔ اللہ کی اطاعت سے آزاد کسی کی اطاعت کرنا، اللہ کے سوا مخلوقات میں سے کسی کے لیے مراسمِ عبودیّت بجا لانا جیسے کسی اور کے لیے رکوع و سجود، نذر و نیاز، کسی اور سے طلبِ اعانت و حمایت کرنا۔ اللہ کے برابر یا اُس سے زیادہ مخلوق میں سے کسی سے محبّت کرنا اور اللہ کے ساتھ ہی مخلوقات میں سے کسی کے ساتھ توقّعات کی وابستگی کرنا، یہ تمام افعال و اعمال اور نظریات و معتقدات شرک فی الحقوق ہیں۔

اسی شرک فی الحقوق کی تعبیر کے لیے دوسری اصطلاح ہے شرک فی العبادۃ۔ چونکہ جب اللہ تعالیٰ کے جُملہ حقوق کو جمع کیا جائے تو وہ حقوق فی العبادۃ قرار پائیں گے۔ چنانچہ قرآن مجید میں فرمایا گیا کہ: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ۝ "میں نے جِنّوں اور انسانوں کو

نہیں پیدا کیا مگر صرف اس لیے کہ وہ میری عبادت کریں"۔۔۔ ایک جگہ فرمایا : وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ۝ "اور عبادت میں اپنے ربّ کے ساتھ کسی اور کو شریک نہ کرے" شرک فی العبادت ایک ایسی جامع اصطلاح ہے کہ شرک فی الحقوق کے جملہ پہلوؤں کا اس ایک اصطلاح میں پورا احاطہ ہو جاتا ہے۔

تین اہم عنوانات اقسامِ شرک کو سمجھنے کے لیے یہ تین عنوانات اپنے ذہن کی لوح پر کندہ کر لیجیے۔ چونکہ ان ہی کے صحیح شعور و فہم اور ادراک پر ہمارے دین کی اساس یعنی توحید کی صحیح معرفت کا انحصار اور دار و مدار ہے۔ اِس کی اہمیّت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ جس کلمۂ شہادت کی ادائیگی سے ہم مسلمان قرار پاتے ہیں اُس کا پہلا جُزو لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے۔ اِس میں توحید کے اثبات سے قبل ہر قسم کے معبودات کی نفی ہے۔ عربی قاعدے کے مطابق یہاں لَا نفیِ جنس ہے۔ یعنی پہلے ہر نوع اور ہر قسم کے شرک سے برأت کا اظہار ہے اور پھر اللہ کی توحید کا اقرار و اعلان ہے۔ اِسی بات کو سُورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۲۵۶ میں اِس اسلوب سے بیان فرمایا گیا کہ : فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا ؕ "پس جس نے طاغوت کا انکار کیا اور اللہ پر ایمان لایا اُس نے مضبوط رسّی پکڑی جو ٹوٹنے والی نہیں"۔۔۔ یہاں طاغوت کا کُفر و انکار ایمان باللہ پر مقدّم کیا گیا۔ طاغوت ہر اُس نظریہ و خیال، فکر و علم اور عمل و فعل کو کہا جاتا ہے جو شیطان کے وساوس و اغوا کی وجہ سے ظہور پذیر ہوں گویا شرک کی ایک تعبیر اطاعتِ طاغوت بھی ہے، جس سے مراد شیطان کی پیروی ہے۔

شرک فی الذّات

جیسا کہ مَیں عرض کر چکا ہوں کہ خدا کی ذات میں کسی کو ساجھی بنا لینا، اُس کا ہم جنس قرار دے لینا، ہم نوع بنا دینا، کفو اور نِدّ و ضد اور مقابل قرار دے دینا، یہ سب سے زیادہ گھناؤنا اور عُریاں ترین شرک ہے ۔۔۔ دنیا میں اِس شرک فی الذّات کی دو شکلیں رائج رہی ہیں۔ اِن میں سے جو بدترین شکل اور سب سے گھناؤنی صورت ہے، اُس کو تاریخ کی بوالعجبی کہیے یا انسان کی انتہائی بدقسمتی کہ یہ شکل اُن قوموں نے اختیار کی جن کی نسبت انبیائے کرامؑ کی طرف ہے یعنی کسی کو خدا کا بیٹا یا بیٹی قرار دے لینا۔ کسی کو خدا کا بیٹا یا بیٹی قرار دینے کے معنی ہیں کہ وہ خُدا کا ہم جنس اور کفو ہو گیا، ہم کفو اور ہم جنس ہوا تو گویا وہ خدا کی ذات میں اُس کا ساجھی اور

شریک ہوگیا۔ پنجابی زبان میں جو لفظ "شریکا" آتا ہے تو یہ لفظ اس مفہوم کو بالکل صحیح ادا کرتا ہے کہ قریبی رشتہ داری کی بنیاد پر ہی "شریکا" ہوتا ہے۔ اور پھر ہر شریک یہ استحقاق رکھتا ہے کہ وہ اپنے قرابت دار کے بالکل برابر ہو ۔ گاؤں میں کچھ لوگ تو وہ ہوتے ہیں جو چودھریوں سے کوئی قرابت اور خون کا تعلق نہ ہونے کی وجہ سے اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ ہم ان چودھریوں سے کم تر ہیں۔ لیکن جو کسی چودھری کا چچازاد بھائی یا اسی قبیل کا کوئی قرابت دار ہوگا تو وہ اسی نسبت سے چودھری سے اپنے رشتہ داری کے تعلق کا دعویٰ دار ہوگا اور اس کو اپنا اور خود کو اس کا شریک، اس کا ہمسر اور ہم پلہ سمجھے گا اور یہ سمجھنا غلط بھی نہیں ہوگا، وہ ہر اعتبار سے اس کا ند اور ضد ہی ہے۔ لہٰذا یہ شریکے کا لفظ عوامی سطح پر شرک فی الذات کو سمجھنے کے لیے قریب ترین مفہوم ادا کرتا ہے۔

شرک فی الذّات میں مُبتلا اقوام

اللہ تعالیٰ کے بیٹا، بیٹی کا یہ تصوّر، جیسا کہ مَیں نے عرض کیا، بدقسمتی سے اِن اقوام و امم اور ملل میں پیدا ہوا جو خود کو کسی جلیل القدر نبی و رسول سے منسوب کرتی ہیں۔ **یہود**:- یہود نے حضرت عُزَیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا قرار دیا:- وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرُنِ ابْنُ اللَّهِ ؕ "اور یہود نے کہا کہ عُزَیرؑ اللہ کے بیٹے ہیں"۔ ویسے مذہب یہود کی تاریخ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام یہودیوں کا یہ عقیدہ نہیں رہا۔ البتہ اُن میں کچھ فرقے ایسے رہے ہیں جو اس عقیدے میں راسخ تھے۔ **نصاریٰ**:- اس معاملہ میں بدترین خرابی نصاریٰ میں پیدا ہوئی اور اس ضلالت و گمراہی نے اپنی انتہا تک نصاریٰ میں نفوذ کیا ـــ وہ شخص جسے سینٹ پال کہا جاتا ہے لیکن جسے درحقیقت شیطان پال کہنا چاہیے یہودی تھا اور اُس نے بڑی عیّاری و مکّاری کے ساتھ نصرانیّت قبول کی تھی۔ اس کے ہاتھوں دینِ عیسوی مسخ ہوا اور اس میں وہ مکروہ عقاید داخل کیے گئے جنھوں نے اِس عُریاں ترین شرک کی صورت اختیار کی کہ حضرت مسیح علیہ السّلام کو صرف خدا کا بیٹا نہیں بلکہ خدا کا صُلبی بیٹا قرار دے دیا گیا: وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهِ ؕ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِأَفْوَاهِهِمْ ۚ يُضَاهِـُٔونَ قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَبْلُ ؕ قَاتَلَهُمُ اللَّهُ ۚ أَنّٰى يُؤْفَكُونَ ۝

ـــــــ اور نصاریٰ نے کہا مسیح اللہ کے بیٹے ہیں، "یہ اُن کے منہ کی بنائی باتیں ہیں، لگے اگلے کافروں کی سی باتیں بنانے۔ اللہ تعالیٰ اُن کو غارت کرے، کہاں (اور کیسے) بہک گئے (اور گمراہ ہو گئے) ہیں" ـــ اِس آیت میں تو حضرت مسیح علیہ السّلام کو ابنُ اللہ قرار دینے

پہ گرفت کی گئی ہے۔ اِس مضمون سے متعلق قرآن کریم میں چند دوسری آیات بھی ہیں لیکن خاص طور پر حضرت مسیح علیہ السّلام کو اللہ تعالیٰ کا صُلبی بیٹا قرار دینے پر تو متعدد آیات میں اللہ تعالیٰ کے غضب کا اظہار ہوا ہے۔ چنانچہ سورۂ مریم میں اِس غیظ و غضب کا اظہار پورے عُروج پر ہے۔ اِس سے زیادہ غصّے کا اظہار کہیں اور نظر نہیں آتا۔ فرمایا :-

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ۝ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا إِدًّا ۝ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْأَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ۝ أَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ۝ وَمَا يَنْبَغِي لِلرَّحْمٰنِ أَنْ يَتَّخِذَ وَلَدًا ۝ إِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ إِلَّا آتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ۝ (آیات ۸۸ تا ۹۳)

اور کہتے ہیں کہ خدائے رحمٰن نے اولاد بنا رکھی ہے۔ یہ تم نے ایسی سنگین بات کہی ہے کہ قریب ہے کہ اس سے آسمان پھٹ پڑیں، زمین شق ہو جائے اور پہاڑ دھماکے کے ساتھ گر پڑیں کہ انہوں نے خدا کی طرف اولاد کی نسبت کی اور یہ بات خدا کے شایان نہیں ہے کہ وہ اولاد بنائے۔ آسمانوں اور زمین میں جو بھی ہیں سب خدائے رحمٰن کے حضور بندے ہی کی حیثیت سے حاضر ہوں گے۔

سورۂ بنی اسرائیل کی آخری آیت میں اِس باطل عقیدے کی تردید اِن الفاظ میں فرمائی گئی ہے :-

وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهُ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيرًا ۝ (آیت ۱۱۱)

اور کہو کہ شکر کا سزاوار ہے وہ اللہ جس کے نہ کوئی اولاد ہے اور نہ اُس کی بادشاہی میں اُس کا کوئی ساجھی ہے اور نہ اُس کو ذلّت سے بچانے کے لیے کسی مددگار کی حاجت ہے اور اُس کی بڑائی بیان کرو جیسا کہ اُس کا حق ہے !!

سُورۂ کہف میں نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی بعثت کے مقاصد میں سے ایک مقصد عیسائیوں کے اس باطل عقیدے پر کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو اپنا بیٹا بنایا ہے، اُن کو آگاہ و خبردار کرنا بھی بیان کیا گیا ہے۔ اِس اسلوب میں بھی اللہ تعالیٰ کی ناراضگی، اُس کی بیزاری اور اُس کا غیظ و غضب چھلکا پڑ رہا ہے، چنانچہ فرمایا :-

وَيُنْذِرَ الَّذِينَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۝ مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ وَّلَا لِآبَائِهِمْ

اور اُن لوگوں کو جو کہتے ہیں کہ خدا نے اولاد بنائی ہوئی ہے، آگاہ کر دے۔ اُن کو اس باب

كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا ۝ (آیت ۴ - ۵)

میں کوئی علم نہیں، نہ اُن کو نہ اُن کے آباء و اجداد کو۔ نہایت ہی سنگین بات ہے جو اُن کے مونہوں سے نکل رہی ہے۔ یہ محض جھوٹ ہے جو وہ بک رہے ہیں۔

قرآن مجید میں حضرت مسیح علیہ السّلام کو خدا کا بیٹا قرار دینے کے باطل عقیدے کی مختلف مقامات پر مختلف اسالیب سے تردید کی گئی ہے۔ چنانچہ سورۂ یونس میں فرمایا :۔

قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ هُوَ الْغَنِيُّ ؕ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ اِنْ عِنْدَكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ بِهٰذَا ؕ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ (آیت : ۶۸)

یہ کہتے ہیں کہ خدا کے اولاد ہے۔ وہ ایسی باتوں سے پاک ہے، وہ بے نیاز ہے۔ جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے سب اُسی کا ہے۔ تمہارے پاس اِس بات کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ کیا تم اللہ پر وہ بات لگاتے ہو، جس کا تم علم نہیں رکھتے۔

سورۂ مریم کی ایک آیت اور سُن لیجئے ! فرمایا :۔

مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝ (آیت : ۳۵)

خدا کے شایان نہیں کہ وہ کوئی اولاد بنائے۔ وہ پاک ہے۔ جب وہ کسی امر کا فیصلہ کر لیتا ہے، تو بس اُس کو فرماتا ہے کہ ہو جا، تو وہ ہو جاتا ہے۔

حضرت عیسیٰؑ اور حضرت یحییٰؑ کی معجزانہ پیدائش

عیسائی حضرت مسیح علیہ السّلام کی صرف خرقِ عادت اور معجزانہ پیدائش کی وجہ سے اُن کو خدا کا بیٹا قرار دے بیٹھے۔ حالانکہ حضرت یحییٰ علیہ السّلام کی پیدائش بھی ایک معجزے اور خرقِ عادت سے کم نہیں۔ چونکہ اُن کے والد حضرت زکریا علیہ السّلام، اُن کی پیدائش کے وقت انتہائی بوڑھے ہو چکے تھے اور اُن کی والدہ نہ صرف بوڑھی تھیں بلکہ ساری عمر بانجھ رہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی دو سورتوں، سورۂ آلِ عمران اور سورۂ مریم میں حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی معجزانہ پیدائش کے ذکر سے قبل حضرت یحییٰ علیہ السّلام کی ولادت کا ذکر فرما کر اس نکتے کو واضح فرمایا ہے۔

ابن اور ولد کا فرق

آگے گفتگو سے قبل مَیں چاہتا ہوں کہ لفظِ ابن اور لفظِ ولد کے فرق کو واضح کر دوں۔ عربی زبان میں ابن کا لفظ کسی دوسری نسبت کو ظاہر کرنے کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے جیسے ابن السّبیل، لفظی معنی ہوں گے "راستے کا بیٹا" حالانکہ سب جانتے ہیں کہ اس سے مراد مسافر لیا جاتا ہے۔ چونکہ مسافر کو راستے سے ایک گہری اور قریبی نسبت ہوتی ہے۔ اسی طرح یہودی

جب اپنے آپ کو کہتے تھے : نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰہِ وَ اَحِبَّآؤُہٗ تو اس کے یہ معنی نہیں تھے کہ وہ خود کو خدا کے بیٹے قرار دیتے تھے بلکہ اُن کا مفہوم و مقصود یہ ہوتا تھا کہ ہم خدا کے ساتھ ایک قرب کی نسبت رکھتے ہیں۔ ہمارا خدا سے گہرا تعلق ہے ہم اس کو ایسے محبوب و عزیز ہیں جیسے باپ کو اُس کے بیٹے عزیز و محبوب ہوتے ہیں۔ اناجیل میں اگرچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے ابن کا لفظ استعمال ہوا ہے لیکن اوّل تو یہ تمام موجودہ اناجیل محرّف ہیں۔ دوسری بات قابلِ غور یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ یہ لفظ ایک خصوصی نسبت کے لیے استعمال ہوا ہو۔ چونکہ پوری نوعِ انسانی کے لیے بھی ان ہی اناجیل میں ابن اللّٰہ استعمال ہوا ہے، کیا عیسائی اس سے یہ مراد لے سکیں گے کہ ساری نسلِ انسانی اللہ کی اولاد ہے۔ البتّہ لفظِ ولد صلبی بیٹے کے لیے ہی بولا جاتا ہے اور ولد کے معنی ہوں گے "جنا ہوا"۔ چنانچہ عیسائی اس معنی میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا صلبی بیٹا قرار دیتے تھے اور دیتے ہیں : قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰہُ وَلَدًا ۝ سے مراد اُن کا یہی باطل عقیدہ ہے۔ انسان کی پوری تاریخ میں عیسائی وہ اُمّت ہے جس نے شرک فی الذّات کی یہ گھناؤنی اور عریاں ترین ضلالت اختیار کی ہے :

اللہ تعالیٰ کا غیظ و غضب جیسا کہ مَیں عرض کرچکا کہ اس عقیدے پر اللہ تعالیٰ کا جس قدر غیظ و غضب بھڑکا ہے پورے قرآن مجید میں ایسا غصّہ اور کہیں نظر نہیں آتا۔ سورۂ مریم کی آیات ۸۸ تا ۹۳ پھر ذہن میں تازہ کیجیے جہاں یہ غصّہ پورے عروج پر ظاہر ہوا ہے اور یہ اس لیے کہ شرک کی یہ بدترین اور عریاں ترین صورت ہے :

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ۝
لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا اِدًّا ۝ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ
يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ
الْجِبَالُ هَدًّا ۝ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ۝
وَمَا يَنْۢبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا ۝
اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ
اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ۝

اور کہتے ہیں کہ خدائے رحمٰن نے اولاد بنا رکھی ہے۔ یہ تم نے ایسی سنگین بات کہی ہے کہ قریب ہے کہ اُس سے آسمان پھٹ پڑیں، زمین شق ہو جائے اور پہاڑ دھماکے کے ساتھ گر پڑیں انہوں نے خدا کی طرف اولاد کی نسبت کی۔ اور یہ بات خدا کے شایان نہیں ہے کہ وہ اولاد بنائے آسمانوں اور زمین میں جو بھی ہیں سب خدائے رحمٰن کے حضور بندے ہی کی حیثیت سے حاضر ہوں گے۔

سُورۂ اخلاص کا مقام آپ کو معلوم ہے کہ نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے سُورۂ اخلاص کو ثلثِ قرآن قرار دیا ہے۔ اِس سُورہ کا یہ مقام اس وجہ سے ہے کہ اِس میں توحید کا اثبات اور

شرک کا ابطال خاص اس پہلو سے بھی ہے کہ اللہ کا کوئی ولد اور کفو ہو یا وہ کسی کا ولد ہو :-

قُلۡ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۞ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۞ لَمۡ يَلِدۡ ۞ وَلَمۡ يُوۡلَدۡ ۞ وَلَمۡ يَكُنۡ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۞

(اے نبیؐ) کہہ دیجئے کہ وہ اللہ بے ہمہ اور یکتا ہے۔ اللہ با ہمہ ہے۔ نہ وہ باپ ہے، نہ وہ بیٹا، نہ کوئی اُس کی برابری کا ہے۔

ولد اور والد کا تعلق لامحالہ ایک دوسرے کو ایک دوسرے کا کفو، ہمسر اور ہم پلّہ بنا دیتا ہے۔ اور فنا و بقا کے سلسلے کی کڑی ہے۔ اولاد خاص کر بیٹا ایک شخص کی اپنی شخصیت کے تسلسل کا سبب ہوتا ہے انسان کو بیٹی کے مقابلے میں بیٹے اس لیے پسند ہیں کہ وہ جانتا ہے کہ مجھے تو فنا ہے لیکن میری نسل چلے میرا تشخص اور نام باقی رہے۔ اب اگر خدا کا کوئی بیٹا مان لیا جائے تو گویا نعوذ باللہ انسان نے اُس کو بھی اپنے اوپر قیاس کر کے نہ صرف صاحبِ احتیاج مان لیا بلکہ منطقی طور پر اس کی فنا بھی مان لی۔ اِس سے وہ اٹل اُصول اور وہ ارفع و اعلیٰ شان بالکل مجروح ہو گئی جو اللہ تعالیٰ کے "اَلۡحَیُّ الۡقَیُّوۡمُ" اور هُوَ الۡاَوَّلُ وَالۡاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالۡبَاطِنُ ؕ کے اسمائے حسنیٰ میں بیان ہوئی --- اور جس کو سورۂ رحمٰن میں اِس طرح ظاہر فرمایا گیا: كُلُّ مَنۡ عَلَيۡهَا فَانٍ ۞ وَّيَبۡقٰى وَجۡهُ رَبِّكَ ذُو الۡجَلٰلِ وَالۡاِكۡرَامِ ۞ "ہر چیز جو زمین پر ہے فنا ہو جانے والی ہے اور صرف تیرے ربّ کی جلیل و کریم ذات ہی باقی رہنے والی ہے"۔ پس اللہ تبارک و تعالیٰ عزّ و جلّ پاک ہے، مُنزّہ ہے اِس سے کہ اُس کا کوئی بیٹا ہو: وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحۡمٰنُ وَلَدًا سُبۡحٰنَهٗ ؕ

بنی اسمٰعیلؑ | آپ کو معلوم ہے کہ قریش تمام کے تمام حضرت اسمٰعیلؑ جیسے جلیل القدر نبی کی اولاد تھے۔ بلکہ اکثر عرب آنجنابؑ ہی سے نسلی تعلق رکھتے تھے۔ اِن میں یہ شرک فِی الذّات دوسری شکل میں آیا۔ اُنہوں نے فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں بنا ڈالا۔ اُن کے اِس عقیدے پر قرآن حمید میں کچھ استہزاء کا انداز و اُسلوب بھی ہے جیسے "اُن کی بات دیکھو کہ اُنہوں نے خدا کے لیے بیٹیاں الاٹ کیں اور اپنے لیے بیٹے۔ اپنے لیے تو اُن کو بیٹے پسند ہیں۔ اُن کے ہاں بیٹی پیدا ہو تو اُن کا مُنہ لٹک جاتا ہے"۔ ——

سورۃ النحل، سورۂ بنی اسرائیل اور سورۃ النجم میں اُن کی، اِس احمقانہ عقیدے پر بڑے لطیف طنزیہ انداز میں گرفت کی گئی ہے۔ سورۃ النحل میں فرمایا :-

وَيَجۡعَلُوۡنَ لِلّٰهِ الۡبَنٰتِ سُبۡحٰنَهٗ ۙ وَلَهُمۡ مَّا يَشۡتَهُوۡنَ ۞ وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمۡ بِالۡاُنۡثٰى ظَلَّ وَجۡهُهٗ مُسۡوَدًّا

اور وہ اللہ کے لیے بیٹیاں ٹھہراتے ہیں، وہ اِن چیزوں سے پاک ہے، اور اُن کے لیے ہے جو وہ چاہیں۔ اور جب اُن میں سے کسی کو بیٹی

وَهُوَ كَظِيْمٌ ○ يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ؕ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِى التُّرَابِ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ○ (آیات ۵۷ تا ۵۹)

کی خوشخبری سنائی جاتی ہے تو اُس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے اور وہ گھٹا گھٹا رہتا ہے۔ وہ اِس منحوس خبر پر لوگوں سے چھپا چھپا پھرتا ہے۔ سوچتا ہے کہ اُس کو ذلت کے ساتھ لے کر چھوڑ دے یا اُس کو مٹی میں دفن کر دے۔ افسوس کیا ہی بُرا فیصلہ ہے جو یہ کرتے ہیں۔

سورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا :۔

اَفَاَصْفٰىكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِيْنَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ اِنَاثًا ؕ اِنَّكُمْ لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلًا عَظِيْمًا ○ (آیت ۴۰)

کیا تمھارے رب نے تمھارے لیے تو بیٹے مخصوص کیے اور اپنے لیے فرشتوں میں سے بیٹیاں بنا لیں۔ یہ تو تم بڑی سنگین بات کہتے ہو۔

سورۂ والنجم میں فرمایا :۔

اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى ○ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى ○ اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى ○ تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى ○

(آیات ۱۹ تا ۲۲)

اب ذرا بتاؤ، تم نے کبھی اِس لات اور اِس عُزّیٰ اور تیسری ایک اور دیوی منات کی حقیقت پر کچھ غور بھی کیا؟ کیا بیٹے تمھارے لیے ہیں اور بیٹیاں خدا کے لیے؟ یہ تو بڑی دھاندلی کی تقسیم ہوئی۔

اِس گفتگو کا خلاصہ یہ نکلا کہ شرک فی الذّات کی یہ وہ صورتیں ہیں جو ان قوموں اور اُمتوں میں پیدا ہوئیں جن کی نسبت جلیل القدر انبیاء و رُسل سے ہے۔

شرک فی الذّات فلسفیانہ مذاہب میں

شرک فی الذّات کی ایک دوسری صورت وہ ہے جو اُن اقوام و ملل میں پیدا ہوئی جن کے مذاہب کو فلسفیانہ مذاہب کہا جا سکتا ہے۔ اِن مذاہب کی بنیاد وحی پر نہیں ہے۔ یہ تو قرآن مجید کی تصدیق کے مطابق اللہ تعالیٰ کی کتابیں تورات اور انجیل یہود اور نصاریٰ کو بذریعہ وحی و نبوّت و رسالت دی گئی تھیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ اِن اُمتوں نے تحریفات سے اِن کتابوں کا حُلیہ ہی بدل ڈالا۔ پھر وہ زبانیں بھی معدوم ہو گئیں جن میں یہ نازل ہوئی تھیں۔ دُنیا میں اِس وقت تورات و انجیل کے نام سے جو کُتُبِ سماوی پائی جاتی ہیں وہ دراصل ترجمے در ترجمے ہیں۔ ان دو الہامی مذاہب کے علاوہ دُنیا میں چند مذاہب ایسے ہیں جو فلسفیانہ مذاہب کہلاتے ہیں، مثلاً ہندو مت۔ اِن فلسفیانہ مذاہب میں شرک فی الذّات نے دو شکلوں میں ظہور

کیا۔ ایک حلول کا عقیدہ ۔۔۔ دوسرا اوتار کا عقیدہ ۔۔۔۔۔۔۔ !

عقیدۂ حلول اِس عقیدۂ حلول کی اساس یہ نظریہ ہے کہ اُن کے نزدیک خدا اِس کائنات میں حل ہو گیا۔ اُنہوں نے خالق اور مخلوق کے درمیان کوئی فصل ہی نہیں رکھا۔ انہوں نے یہ تصورات و نظریات قائم کئے کہ برف بذاتِ خود پانی ہے جب پگھلتا ہے تو پانی ہی بنتا ہے ۔۔ پانی کو اُبال دیجئے وہ بھاپ بن کر اُڑ جائے گا لیکن بذاتِ خود بھاپ کوئی شے نہیں، وہ پانی ہی کی ایک شکل ہے۔ اِسی طرح خدا جو حقیقتِ مطلقہ ہے، اُس نے اِس کائنات کا رُوپ دھار لیا ہے، لہٰذا یہ جملہ مخلوقات و موجودات جو نظر آ رہی ہیں دراصل وہی خدا اور حقیقتِ مطلقہ ہے۔ خدا ان کے علاوہ کہیں اور نہیں ہے۔ شکر کو پانی میں گھولئے وہ اس میں حل ہو جائے گی، اُس کا اپنا وجود کہیں نظر نہیں آئے گا اسی طرح اُن کے عقیدے کے مطابق خدا اِس کائنات میں حل ہو گیا ہے۔ اُس کا کوئی مستقل وجود کہیں نہیں ہے۔ اِسی عقیدے کو انگریزی میں PAN-THEiSiM کہتے ہیں۔ اِس لیے کہ انگریزی میں PAN کہتے ہیں "سب" کو ALL کو۔ اب رہا THEiSiM تو اِس کے معنی ہیں اُلوہیّت ۔۔۔ پس PAN-THEiSiM کا مطلب ہوا کہ کائنات کی تمام چیزوں اور جُملہ مخلوقات کو اُلوہیّت حاصل ہے اور یہ سب اپنی اپنی جگہ "خُدا" ہیں۔ شجر بھی اُلوہیّت کا حامل، حجر بھی اُلوہیّت کا حامل، شمس و قمر بھی اُلوہیّت کے حامل ۔ مَیں اور آپ بھی اُلوہیّت کے حامل۔ غرضیکہ کائنات میں جو کُچھ بھی ہے اور جس شکل میں بھی ہے سب کا سب اُلوہیّت کا حامل ہے۔ خدا اِس کائنات ہی میں حل ہو گیا ہے ۔۔۔ اِسی نامعقول نظریے اور عقیدے کی فارسی کے اِس شعر میں نفی کی گئی ہے ؎

حلول و اتّحاد ایں جا محال است ۔۔۔۔ کہ در وحدت دُوئی عینِ ضلال است

اِسی عقیدے کے دوسرے نام بھی ہیں جیسے عقیدۂ اتّحاد اور ہمہ اوست۔ یہ سب معمولی سے فرق کے ساتھ عقیدۂ حلول ہی کے اصل نظریّے کی فروع ہیں۔ یہ عقیدہ و نظریہ بھی شرک فی الذّات کی ایک کریہہ صورت ہے۔

عقیدۂ اوتار فلسفیانہ مذاہب میں اِسی عقیدۂ حلول نے ایک دوسری شکل میں خدا محدود پیمانے پر ظہور کیا جو عقیدۂ اوتار کہلاتا ہے جس کو انگریزی میں INCARNATiON کہا جاتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ خدا کسی انسان کی شکل میں دنیا میں ظاہر ہوتا رہتا ہے، یا خدا کسی خاص انسان میں حلول کر جاتا ہے۔ چنانچہ جس انسان کے متعلق یہ عقیدہ ہو گیا کہ اس صورت میں خدا نے نزول کیا ہے، یا یہ کہ اُس میں خدا نے حلول کر لیا ہے تو اُس انسان کو اُلوہیّت کا مقام لامحالہ دیا جائے گا۔

عقیدے کی اِسی کجی سے ہندو مت میں کرشن جی بھی اوتار ہیں اور رام چندر بھی اور نہ معلوم کتنے انسانوں کو اوتار قرار دیا گیا ہے، جن کا شمار آسان نہیں ــــ باطنی اسماعیلیوں کے ہاں بھی یہ عقیدہ ایک دوسری بگڑی ہوئی شکل میں موجود ہے۔ خدا ہی جانتا ہے کہ یہ مرض کہاں سے ہو کر کہاں کہاں پہنچا ہے۔ ہندوؤں کے ہاں نو اوتار متفقہ ہیں۔ باطنی اسماعیلیوں نے ہندو ذہن کے قریب آنے کے لیے حضرت علیؓ کو دسواں اوتار قرار دے لیا۔ اُن کے عقیدے کے بموجب نعوذباللہ خدا نے حضرت علیؓ میں حلول کیا اور اب حضرت علیؓ کی رُوح امامِ حاضر میں حلول کرتی رہتی ہے۔ بہرحال اسماعیلیوں کے متعلق جو عرض کیا گیا ہے، اُس کو ایک جملۂ معترضہ سمجھیے۔

حاصل کلام یہ کہ دنیا میں شرک فی الذّات کے یہ دو بڑے بڑے عقیدے رہے ہیں۔ ایک کسی کو خدا کا بیٹا اور بیٹی ماننے کا عقیدہ ــــ اس گمراہی میں وہ اقوام واُمم مبتلا ہوئیں، جن کے پاس آسمانی کتابیں موجود رہیں اور جن کی نسبت خدا کے برگزیدہ پیغمبروں سے ہے۔ دوسرے حلول اور اوتار کا عقیدہ ــــ اِس گمراہی میں وہ اقوام مبتلا ہوئیں کہ جن کے مذاہب فلسفیانہ بنیادوں پر قائم ہیں۔ اِن دونوں میں جیسا کہ میں عرض کر چکا، زیادہ مکروہ اور گھناؤنی صورت وہ ہے جو انبیاء و رُسُل سے تعلّق رکھنے والی اُمّتوں میں پیدا ہوئی۔ جس پر قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے غیظ و غضب کا بار بار اظہار ہوا ہے، جیسا کہ میں ابھی عرض کر چکا ــــ!

اللہ تعالیٰ کا خصُوصی فضل اب میں چاہتا ہوں کہ ایک اہم ترین بات کی طرف آپ کی توجّہ مبذول کراؤں۔ وہ یہ کہ ہماری اُمّت پر اللہ تعالیٰ کا خاص فضل و کرم ہے، جس پر ہمیں اُس کا خصوصی شکر ادا کرنا واجب ہے کہ اُس نے اُمّتِ محمّد علیٰ صاحبہا الصّلوٰۃ و السّلام کو بحیثیتِ مجموعی اِس نوع کے شرک سے تاحال محفوظ رکھا ہے، یہ معمولی بات نہیں ہے۔ پُورے چودہ سَو برس بیت گئے جبکہ حضرت مسیح علیہ السّلام کے رفعِ آسمانی کو تو صرف چند ہی سال بیتے تھے کہ اُن کے بارے میں یہ ظلم ہوا کہ اُنھیں خدا کا بیٹا قرار دے دیا گیا۔ لیکن نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی بعثت پر چودہ صدیاں گزر چکیں لیکن حضورؐ کے ساتھ یہ گستاخی نہیں کی گئی۔ یہ اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل و کرم ہے اور اُس کی طرف سے حضورؐ کو ایک تحفّظِ خصوصی بھی حاصل ہے۔ میں نے جو یہ بات عرض کی ہے تو یہ جانتے ہوئے عرض کی ہے کہ ہمارے ہاں جُہلاء اور چند جاہل شعراء کے ہاں کچھ ایسی باتیں ہیں کہ جن میں اوتار کے عقیدے کی جھلک کسی صورت میں پائی جاتی ہے۔ لیکن میں نے جو کچھ کہا ہے اُس کی اساس یہ حقیقت ہے کہ جتنے بھی ہمارے مسلّمہ مذہبی فرقے ہیں اور ان کے جو مستند عقاید ہیں،

اُن میں کہیں بھی بحمد اللہ اِس نوعیت کی کوئی بات شامل نہیں ہے۔ جاہل عوام، شعراء اور بے علم واعظین کی بات اور ہے، یہ طبقہ عامۃُ النّاس میں نفوذ اور سستی شہرت حاصل کرنے کی خاطر ایسی باتیں کہہ جاتے ہیں جن میں غُلوّ ہوتا ہے، شرک ہوتا ہے اور جو ہمارے عقیدۂ توحید کے بالکل خلاف ہوتی ہیں اور جن میں "عقیدۂ اوتار" کی جھلک ہوتی ہے جیسے کہ عوام میں یہ شعر بہت مشہور ہے

سے وہی جو مستویٔ عرش تھا خدا ہو کر ٭ وہی اُتر آیا مدینے میں مصطفٰے ہو کر

یہ بالکل مشرکانہ قول ہے اور شعراء بالخصوص جاہل شعراء کے لیے قرآن نے یہ اٹل بات فرمادی ہے کہ : وَالشُّعَرَآءُ یَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ o اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِیْ كُلِّ وَادٍ یَّهِیْمُوْنَ o وَاَنَّهُمْ یَقُوْلُوْنَ مَا لَا یَفْعَلُوْنَ o (سُورۃ الشعراء آیات ۲۲۴ تا ۲۲۶) ــــ "رہے شعراء، تو اُن کے پیچھے بہکے ہوئے لوگ چلا کرتے ہیں۔ کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ وہ ہر وادی میں بھٹکتے ہیں اور ایسی باتیں کہتے ہیں جو کرتے نہیں ہیں۔"

اُمّت کا مُسلّمہ عقیدہ | لیکن جیسا کہ مَیں عرض کر چکا کہ ایسی بات نہ کسی مستند عالمِ دین نے کبھی کہی ہے اور نہ یہ بات ہمارے کسی بھی مُسلّمہ فرقے کے مستند عقائد میں موجود ہے۔ اِس بات کی اصل حقیقت آپ پر جب منکشف ہوگی، جب آپ اس بات پر نظر رکھیں کہ عیسائیوں کو حضرت مسیح علیہ السّلام سے جو محبّت و عقیدت رہی ہے وہ اس محبّت و عقیدت اور احترام و تعظیم کا عشرِ عشیر بھی نہیں ہے جو اُمّتِ محمّد علیٰ صاحبہا الصّلوٰۃ والسّلام کو نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم سے رہی ہے اور ہے۔ بلکہ اگر مَیں یہ کہوں تو بالکل حق بجانب ہوگا کہ عیسائیوں کو جو حضرت مسیح علیہ السّلام سے لگاؤ ہے اُس کی اِس محبّت سے جو اُمّت کو حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم سے ہے، کوئی نسبت ہی نہیں ہے۔ یہ اُمّت جو ادب اپنے رسول ؐ کا کرتی رہی ہے، وہ اظہر من الشّمس ہے۔ اس کے باوجود اُمّت کے کسی فرقے نے بھی نبی اکرم ؐ کو بحمد اللہ خدا کا بیٹا قرار نہیں دیا۔ ثم الحمد للہ کہ اِس اُمّت میں یہ گستاخی کہیں نظر نہیں آتی۔ میرے نزدیک یہ ایک معجزہ ہے، اللہ تعالیٰ کا یہ خصوصی فضل ہے، یہ خدائی تحفظ (DIVINE PROTECTION) حاصل ہے جناب محمد مصطفٰے صلّی اللہ علیہ وسلّم کو ــــ یہ تحفظ اس لیے حاصل ہے کہ حضور ؐ آخری نبی اور آخری رسول ہیں۔ آپ ؐ کے بعد تا قیامِ قیامت اب کوئی نبی، کوئی رسول آنے والا نہیں، آپ خاتم النّبیین ؐ و المرسلین ہیں۔ اب حضور ؐ ہی کا دورِ رسالت قیامت تک جاری و ساری رہے گا۔ حضرت مسیح علیہ السّلام کی شخصیت کو مسخ کر دیا گیا تو قرآن مجید نے نازل ہو کر حضرت مسیح ؑ کی حقیقی شخصیت کو

پیش کر دیا۔ اب آپ ہی غور کیجئے کہ اگر کہیں جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کو مسخ کر دیا جاتا نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِکَ تو پھر اس کی تصحیح کون کرتا۔ تورات، زبور اور انجیل کو اللہ کی حفاظت حاصل نہیں تھی لیکن قرآن مجید کو ہے۔ اس لیے کہ یہ آخری کتاب ہے: اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ ٥ سابقہ کتبِ سماوی کی تحریف ہوئی تو قرآن نے قلعی کھول دی اُس کا پردہ چاک کر دیا۔ قرآن میں کہیں تحریف ہو جاتی، تو اُس کی تصحیح کون کرتا۔ بالکل اسی طریقہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی جناب سے ایک خصوصی تحفظ حاصل ہے۔ اگر کہیں حضورؐ کے ساتھ یہ معاملہ ہو جاتا تو کون آنے والا تھا کہ جو اس کی اصلاح کرتا۔ فوری تقابل کے طور پر اس حقیقت پر غور کیجئے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا نسبت ہو سکتی ہے! حضورؐ رسول ہیں اور رسول بھی کیسے رسول؛ سیّد المرسلین، خاتم النبیّین، محبوبِ ربّ العالمین صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اُمتی ۔ بلاشبہ حضرت علیؓ اُمت میں فضیلت کے اعتبار سے چوتھے نمبر پر ہیں اور چوتھے خلیفۂ راشد بھی ہیں۔ لیکن بہرحال اُمتی ہیں اور ایک اُمتی کو رسول سے کیا نسبت؟ بایں ہمہ حضرت علیؓ کو خدا کہنے والے پیدا ہوئے۔ اُسی خیر القرون میں خود اُن کے دور میں پیدا ہو گئے خود حضرت علیؓ کے روبرو برملا کہا کہ "تم خدا ہو"۔ حضرت علیؓ نے اُن کو پکڑوایا، اُن کو اس فاسد عقیدے پر زجر و توبیخ کی، سزائیں دیں حتیٰ کہ قتل کرا دیا لیکن وہ اِس پر قائم رہے۔ وہ فرقہ آج بھی موجود ہے۔ اِس وقت لبنان میں جو کچھ ہو رہا ہے اُس میں اس فرقے کی ریشہ دوانیوں کو بڑا دخل ہے۔ غور کیجئے کہ حضرت علیؓ کو خدا کہنے والا فرقہ پیدا ہو گیا اور اب بھی موجود ہے۔ لیکن للہ الحمد والشکر کہ اِن چودہ صدیوں میں جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کہنے والا کوئی فرقہ پیدا نہیں ہوا۔۔۔! اِس کا سبب کیا ہے؟ اِس کا سبب وہی ہے جو مَیں نے عرض کیا کہ حضورؐ کو خدا کی طرف سے ایک خصوصی تحفظ حاصل ہے۔۔۔ اس ضمن میں قرآن مجید اور احادیث شریفہ میں جو خصوصی اہتمام ہوا ہے، اُس پر بھی نگاہ رکھیے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی حفاظت اپنے ذمّے لی تو اس کے لیے تدبیر بھی فرما دی۔ یہ حفظ کا نظم اور تسلسل، یہ تجوید و قرأت کا التزام و اہتمام۔ حفاظ میں یہ شوق، ولولہ اور امنگ ۔۔۔ اور پھر رمضان المبارک میں تراویح کا اہتمام و انتظام۔ یہ سب کچھ قرآن مجید کی حفاظت کی تدابیر الٰہیہ ہیں۔ اسی طریق سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو من عند اللہ اور من جانب اللہ جو تحفظِ خصوصی حاصل ہے اُس کا ذریعہ دو تدبیریں بنیں۔

خدائی تدبیر | ایک طرف تو قرآن مجید نے بار بار اس حقیقت کو واضح کیا کہ محمدؐ نوع کے اعتبار

سے فی الحقیقت بشر اور اللہ کے بندے ہیں البتہ اُن کی یہ خصوصیت ہے کہ اُن کو اللہ تعالیٰ نے اپنا نبی اور رسول بنایا ہے۔ اُن پر وحی نازل کی ہے اور اُن کو بنی نوع انسان کی رُشد و ہدایت پر مامور فرمایا ہے۔ چنانچہ سورۂ کہف اور سورہ حٰم سجدہ میں فرمایا:

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى	اے نبی کہو کہ میں تو ایک انسان ہوں تم ہی
اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ط	جیسا، میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا خدا
(سُورۂ کہف ۱۱۰ اور سورہ حٰم السجدہ ۶)	بس ایک ہی خدا ہے

سورہ المؤمنون میں فرمایا:

مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يَاْكُلُ	یہ تو بس تمہارے ہی مانند ایک بشر ہے
مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ (آیت: ۳۳)	وہی کھاتا ہے جو تم کھاتے ہو۔

قرآن حکیم میں نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی بشریّت کو مختلف انداز و اسالیب سے نمایاں کیا گیا ہے، تو اُس کی حکمت یہی ہے کہ مبادا مسلمان بھی غلوّ کر بیٹھیں، مبادا وہ بھی اِسی گستاخی کا ارتکاب کریں جو حضرت مسیحؑ کے ساتھ کی گئی، مبادا وہ بھی اُسی افراط و تفریط کی روش اختیار کرلیں جو یہود نے حضرت عُزیرؑ اور نصاریٰ نے حضرت عیسیٰؑ کے ساتھ اختیار کی۔ چنانچہ بار بار اس بات کو واضح کیا گیا کہ محمّد (صلّی اللہ علیہ وسلّم) ہمارے نبی اور رسول ہیں، خاتم النبیّن والمرسلین ہیں ــــ !

رحمۃ للعالمین ہیں، شافع محشر ہیں لیکن ہیں ہمارے بندے اور تمہاری طرح بشر، انسان۔ اُلوہیّت میں اُن کا کسی نوع کا کوئی حصّہ نہیں۔ کلمۂ شہادت کے دوسرے جزو میں نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی رسالت پر حضورؐ کی عبدیّت کو مقدم کیا گیا۔ اسی طرح قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کے متعلق اپنے خصوصی التفات کا جہاں ذکر فرمایا ہے تو وہاں حضورؐ کی شانِ عبدیّت کو نمایاں فرمایا ہے مثال کے طور پر صرف سورۂ بنی اسرائیل اور سورۂ کہف کی ابتدائی آیات پیش کرتا ہوں۔ سورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا:۔
سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِيْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ ۔ پھر سُورۂ کہف میں فرمایا:۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ط

اُن کو تو یہ بھی اختیار نہیں دیا گیا کہ وہؐ اپنی چاہت، اپنی پسند اور اپنی خواہش کے مطابق کسی کو ہدایت کی راہِ مستقیم پر گامزن کر سکیں۔ اُن کا مقام شاہد، مُبشّر، منذر، داعی اور مُبلّغ کا ہے۔ کسی کو اپنے ارادے، اپنی مرضی اور اپنی پسند سے راہ یاب کر دینا اُن

کے اختیار اور بس میں نہیں ہے۔ چنانچہ سورۃ القصص میں اِس بات کو کھول دیا گیا، فرمایا:۔

اِنَّكَ لَا تَهۡدِيۡ مَنۡ اَحۡبَبۡتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهۡدِيۡ مَنۡ يَّشَآءُ ۚ وَهُوَ اَعۡلَمُ بِالۡمُهۡتَدِيۡنَ ۝ (آیت: ۵۶)	(اے نبیؐ)، تم جن کو چاہو ہدایت نہیں دے سکتے، بلکہ اللہ ہی جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے، اور وہی ہدایت پانے والوں کو خوب جانتا ہے!

سورۂ اعراف کی ایک آیت اور ملاحظہ فرمائیے جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت، مرتبہ اور مقام کو نہایت وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔ تاکہ اُمّت محمّد علیٰ صاحبہا الصّلوٰۃ والسّلام فرطِ محبّت میں غلوّ کرنے کی ٹھوکر نہ کھائے اور حضورؐ کو یہ خصوصی تحفظ حاصل رہے کہ حضورؐ کی شان میں اِس گستاخی کا ارتکاب نہ ہو جو عیسائیوں نے بحیثیت اُمّت کیا ہے۔

فرمایا:۔ قُلۡ لَّاۤ اَمۡلِكُ لِنَفۡسِىۡ نَفۡعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَلَوۡ كُنۡتُ اَعۡلَمُ الۡغَيۡبَ لَاسۡتَكۡثَرۡتُ مِنَ الۡخَيۡرِ ۛۚ وَمَا مَسَّنِىَ السُّوۡٓءُ ۛۚ اِنۡ اَنَا اِلَّا نَذِيۡرٌ وَّبَشِيۡرٌ لِّقَوۡمٍ يُّؤۡمِنُوۡنَ	(اے نبی)، کہہ دو، میں اپنی ذات کے لیے کسی نفع و نقصان پر کوئی اختیار نہیں رکھتا، مگر جو اللہ چاہے اور اگر میں غیب جانتا ہوتا تو خیر کا بڑا خزانہ جمع کر لیتا اور مجھے کوئی گزند نہ پہنچ پاتا۔ میں تو بس ان لوگوں کے لیے ایک ہوشیار کرنے والا اور خوشخبری دینے والا ہوں جو ایمان لائیں

حضورؐ کا اہتمام

دوسری طرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس بارے میں اتنی احتیاط فرمائی کہ جہاں ذرا سا شائبہ بھی پیدا ہو گیا کہ مبادا کہیں کوئی غلط فہمی اور مغالطہ راہ پا جائے تو اُس کا فوراً تدارک فرما دیا اور باریک سے باریک نکتے کو بھی نظر انداز ہونے نہیں دیا۔ چنانچہ کتبِ احادیث میں ایک روایت آتی ہے کہ ایک مرتبہ ایک صحابیؓ کی زبان سے نکل گیا کہ "مَا شَآءَ اللّٰهُ وَمَا شِئۡتَ" (یعنی جو اللہ چاہے اور آپ چاہیں) فوراً حضور نے روک دیا اور فرمایا کہ: اَجَعَلۡتَنِىۡ نِدًّا لِلّٰهِ ؕ (کیا تم نے مجھے خدا کا مدِّ مقابل بنا دیا) مشیّت صرف اللہ کی' اختیار صرف اُس کے ہاتھ میں ہے۔ غور کیجئے کہ اس امر کا دور دور بھی امکان نظر نہیں آتا کہ کہنے والے کے ذہن میں اس بات کا ذرا بھی شائبہ موجود ہو کہ وہ مشیّت میں نبی کو کسی درجہ میں بھی شریک سمجھ کر کہنے والے نے تو ایک ایسی بات کہی تھی جو عموماً ایسے مواقع پر کہہ دی جاتی ہے لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احتیاط کا یہ عالم ہے کہ ان صحابیؓ کو ٹوک دیا۔ اِس باریک بینی اور اِس احتیاط کو اس

دوسری تدبیر میں شمار کیجئے کہ جس کے ذریعے سے یہ حفاظتِ خصوصی جناب محمد مصطفیٰ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو حاصل ہوئی کہ اُن کے ساتھ گستاخی کا وہ معاملہ نہیں کیا جا سکا، جو لوگوں نے فرطِ محبّت و عقیدت میں غلوّ کر کے حضرت مسیح علیہ السّلام اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ کیا ہے — ایک ضروری بات میں آگے بیان کرنا چاہتا تھا لیکن اِس وقت ذہن میں آگئی ہے تو ابھی بیان کر دیتا ہوں۔ وہ یہ کہ، یہ "یا محمدؐ" کا جو سلسلہ چل نکلا ہے تو آپ غور کریں گے تو اِس نتیجہ پہ پہنچیں گے کہ زیادہ تر عموماً یہ بعض مساجد کی زینت بنتا ہے، وہ بھی اِس لیے کہ اس مسجد کا ایک مخصوص فرقے سے تعلّق نمایاں ہو جائے اور فوراً پہچان میں آجائے کہ یہ مسجد فلاں فرقے سے متعلّق ہے۔ یا وقتی وہنگامی مواقع پہ جلسوں اور جلوسوں میں ہمارے عوامی قسم کے لیڈر ایک خاص ماحول پیدا کر کے بطورِ نعرہ اس کو کہلوا لیتے ہیں۔ اس نعرے کو غیر اسلامی سیاست اور جذباتی فضا کی پیداوار کہا جا سکتا ہے۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ یہ لفظ ہمارے ہاں بطورِ نعرہ اس سے پہلے استعمال نہ ہوتا تھا۔ ہمارے جاہل عوام کی زبانوں پہ بطورِ نعرہ اور بطورِ دُعا (پکار) جو لفظ چڑھا ہوا تھا وہ ہے۔ "یا علی" — یہ ظلم اور یہ زیادتی بھی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ہوتی رہی ہے۔ میدانِ جنگ یا کسی مشکل مرحلے پہ جاہل عوام کی زبان پہ "یا علی مدد" کا مشرکانہ نعرہ آتا ہے، "یا محمدؐ مدد" نہیں آتا۔ آپ یقیناً میری اس رائے سے اتفاق کریں گے کہ یہ اسی حفاظتِ خصوصی کا ظہور ہے جو نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کو حاصل ہے۔ ورنہ جیسا کہ میں عرض کر چکا کہ حضرت علیؓ کا نبی اکرمؐ سے نسبت کا تعلّق یہ ہے کہ ایک اُمّتی ہیں اور دوسرے رسول، اور رسول بھی کیسے؟ سیدالمرسلین، خاتم النبیّن، رحمۃٌ للعالمین صلّی اللہ علیہ وسلّم!

خلاصہ کلام یہ کہ شرک فی الذّات کے ذیل میں دو بڑے بڑے شرک دنیا میں رائج رہے ہیں — پہلا شرک فی الذّات وہ عُریاں ترین، انتہائی مکروہ اور سب سے گھناؤنا شرک ہے جو مخلوق میں سے کسی کو خدا کا بیٹا یا بیٹیاں قرار دینے سے متعلّق ہے۔ جس میں وہ قومیں اور اُمّتیں مبتلا ہوئیں اور ہیں، جن کی نسبت انبیاء و رُسُل سے ہے اور دوسرا شرک فی الذّات وہ جس میں فلسفیانہ مذاہب کے پیرو مبتلا ہیں یعنی ہمہ اوست، حلول، اتّحاد، اور اوتار کا عقیدہ اور یہ دونوں گروہ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا ٥ کے زمرے میں آتے ہیں۔

(جاری)

اسلامی تصوّف کے موضوع پر

مشہور محقق پروفیسر یوسف سلیم چشتی کی

مایۂ ناز تالیف

اسلامی تصوّف

میں غیر اسلامی نظریات کی آمیزش

اس کتاب میں فاضل مولف نے ان عناصر اور عوامل کی نشاندہی کی ہے کہ جن کی وجہ سے اسلامی تصوّف میں غیر اسلامی عقائد کی آمیزش ہو گئی۔

یہ مایہ ناز کتاب قارئین کے بے حد اصرار پر اب دوبارہ عمدہ طباعت اور ڈائی دار جلد کے ساتھ شائع کی گئی ہے۔ جس کی وجہ سے کتاب کے حُسنِ ظاہری میں بھی اضافہ ہو گیا ہے۔

آفسٹ پیپر پر اعلےٰ طباعت، مضبوط اور خوبصورت ڈائی دار جلد قیمت -/۱۵ روپے

ناشر

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

اصلاح معاشرہ کا انقلابی پہلو

(آخری قسط)

ڈاکٹر اسرار احمد

حاصل کلام یہ نکلا کہ اسلامی انقلاب کہہ لیں، اسلام کی نشأۃ ثانیہ کہہ لیں، اسلامی نظامِ حیات کا قیام و نفاذ کہہ لیں، اصلاح معاشرہ کہہ لیں، یہ تمام اصطلاحات دراصل ایک ہی حقیقت کی تعبیر کے مختلف اسالیب ہیں یہ سب کچھ اس وقت تک روبعمل آنا ممکن نہیں ہے جب تک ہم ان کے لئے قرآن مجید کو اپنا رہنما اور ہادی نہ بنائیں - اور قرآن ہمارے اذہان وقلوب میں نفوذ نہ کرے - آج ہم جس المیہ سے دوچار ہیں وہ دراصل یہی ہے کہ اللہ تعالےٰ کی اس کتاب ہدایت سے ہمارا تعلق نہ صرف یہ کہ مضمحل وضعیف ہو گیا ہے بلکہ اگر آپ حضرات برا نہ مانیں تو میں عرض کروں کہ تقریباً معدوم کے درجے میں آ گیا ہے - ہمارے حال پر کیسی صادق آتی ہے آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث مبارکہ جس کو امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ: اِنَّ اللہَ یَرْفَعُ بِھٰذَا الْکِتٰبِ اَقْوَامًا وَیَضَعُ بِہٖ اٰخَرِیْنَ - "وہ اللہ تعالےٰ اس قرآن مجید کے ذریعہ بہت سی قوموں کو عزت وسربلندی سے سرفراز فرمائے گا اور دوسروں کو (اس کتاب ہدایت کو ترک کرنے کے باعث) ذلت ونکبت سے دوچار فرمائے گا" - صحابہ کرام رضی اللہ تعالےٰ عنہم اجمعین، تابعین وتبع تابعین نیز ان کے بعد آنے والوں نے جب تک اس کتاب کو اپنا لائحہ عمل اور رہنما بنائے رکھا تو وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ کا وعدہ الٰہی پورا ہوتا رہا اور جب ہم نے اس قرآن کو محض ایک کتاب مقدس سمجھ کر اس کے ساتھ محض ظاہری احترام کا معاملہ اختیار کیا اور اس کی تعلیمات سے سراسر روگردانی اور اعراض کیا تو اس کی پاداش میں وہی کچھ

ہوا اور ہو رہا ہے جس کی خبر دی تھی الصادق المصدوق صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ وَیَضَعُ بِہٖ آخَرِین ـــــ اس مضمون کو بھی علامہ نے اس شعر میں بڑی خوبصورتی سے ادا کیا ہے ؎

وُہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر — اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر

اچھی طرح ذہن نشین کر لیجئے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت ختم ہی نہیں بلکہ کامل بھی ہوئی ہے۔ آں حضورؐ کے اس دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد جو چیز محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جانشین اور قائم مقام ہے وہ ہے: قرآن مجید۔ فرقانِ حمید۔ کتاب مبین۔ جو دائم و قائم ہے اور تا قیام قیامت ایک شوشے کے تغیر کے بغیر اور ہر تحریف لفظی سے محفوظ زندہ و پائندہ رہے گا۔

چنانچہ حجۃ الوداع میں آں حضورؐ نے جو آخری بات فرمائی وہ اسی قرآن مجید کے متعلق ہے۔ مسلم شریف میں حجۃ الوداع کے اختتامی اور آخری الفاظ یہ ہیں:

وَقَدْ تَرَکْتُ فِیْکُمْ مَّا اِنِ اعْتَصَمْتُمْ بِہٖ فَلَنْ تَضِلُّوْا اَبَدًا وَھُوَ کِتَابُ اللّٰہِ ۔

"اور میں تمہارے درمیان وہ چیز چھوڑے جا رہا ہوں جس کو اگر تم مضبوطی سے تھامے رکھو گے تو تا ابد گمراہ نہیں ہو گے، اور وہ چیز ہے ۔ کتاب اللہ"

معلوم ہوا کہ ہماری ہدایت کی ضمانت اعتصام بالقرآن ہے اور اس کو چھوڑنے کا لازمی نتیجہ ضلالت و گمراہی ہے ۔ جس کی سزا ہم بھگت رہے ہیں۔

قرآن ہی دراصل ہمارا انقلابی فکر اور نظریہ ہے - اس انقلابی فکر کی تبلیغ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنی وسعت دی کہ فرمایا: بَلِّغُوْا عَنِّیْ وَلَوْ آیَۃً - "پہنچاؤ میری طرف سے چاہے ایک ہی آیت" - گویا ہر مسلمان پر لازم ہے واجب ہے، فرض ہے کہ وہ قرآن کا مبلغ بنے چاہے ایک ہی آیت کو اچھی طرح سمجھ کر دوسروں تک پہنچائے - اور یہ تبلیغ گویا نبی اکرمؐ کی جانب سے ہوگی یہاں 'عَنِّیْ' کا صحیح مفہوم ہوگا 'On my behalf' اس طرح ہر مسلمان 'یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِہٖ' کے کارِ رسالت کی زنجیر سے ایک کڑی کی طرح منسلک ہو جائے گا اور امتِ مسلمہ کی "تاسیس کی غرض و غایت کو پورا کرنے کی کوشش کرنے والوں میں شامل ہو جائے گا - یہ ہے اصلاحِ معاشرہ کا انقلابی پہلو -

اُمتِ مسلمہ کی تاسیس کی غرض و غایت کا ذکر آیا تو میرا ذہن قرآنِ حکیم کی ان آیات کی طرف منتقل ہوا جن میں اُمتِ مسلمہ کی غرض و غایت تاسیس کو واضح کیا گیا ہے - یہ بات قرآن مجید میں سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۱۴۳ کے ابتدائی حصہ میں بیان ہوئی:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً	اور اسی طرح ہم نے تمہیں ایک
وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ	بیچ کی اُمت بنایا تاکہ تم لوگوں
عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ	پر گواہی دینے والے بنو اور
الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ	رسول تم پر گواہی دینے والا بنے -

اسی بات کو سورہ حج کی آخری آیت نمبر ۷۸ میں ایک دوسرے انداز اور اسلوب سے بیان فرمایا گیا - قبل اس کے کہ میں وہ آیت آپ کو سناؤں پہلے آیت نمبر ۷۵ سن لیجئے، جس سے اس آخری آیت کا گہرا ربط و تعلق ہے - فرمایا: اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ۝ "حقیقت یہ ہے کہ) اللہ (اپنی ہدایت کی ترسیل کیلئے) ملائکہ میں سے بھی پیغام رساں منتخب کرتا ہے اور انسانوں میں سے بھی رسولوں کا انتخاب فرماتا ہے - بلاشبہ اللہ ہی حقیقی، سمیع اور بصیر ہے"

یہ بڑی عظیم آیت ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے ارسالِ وحی کا یہ ضابطہ بیان فرمایا ہے کہ وہ اس مقصد کے لئے فرشتوں میں سے کسی کو اپنا رسول، پیغامبر اور ایلچی منتخب فرماتا ہے۔ جو وحی کو ان حضرات قدسیہ تک پہنچاتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ بحیثیت نبی و رسول منتخب فرماتا ہے — چونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں اور آں حضورؐ پر نبوت ہمیشہ کے لئے صرف ختم ہی نہیں ہوئی بلکہ آپؐ پر نبوت کا اکمال و اتمام بھی ہوا ہے۔ اب قیامت تک کسی نوع کا ۔ نہ بروزی نہ ظلی — کوئی نبی نہیں آئے گا۔ جو بھی اس قسم کا دعویٰ کرے وہ لازماً کاذب اور کافر ہو گا — لیکن نوعِ انسانی کی ہدایت کی ضرورت تو تا قیامِ قیامت باقی رہے گی لہٰذا ایک تو قرآن مجید کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لے لیا:

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ٥

اور تا قیامِ قیامت قرآن مجید کو نبوّت کے قائم مقام کا درجہ عطا فرما دیا۔ اب رہا کارِ رسالت ۔ یعنی تبلیغ دعوت، موعظت و نصیحت، تبشیر و انذار، شہادت علی الناس، امر بالمعروف، نہی عن المنکر، تکبیرِ رب اور اقامت و اظہارِ دین کے فرائض منصبی تو یہ اُمّت کے سپرد کر دیئے گئے گویا ختمِ نبوّت کے بعد قیامت تک کے لئے ہی نوعِ انسانی کی ہدایت کے کام پر اُمّت مسلمہ ایک تیسری کڑی کی حیثیت سے شامل کر دی گئی۔ یہی بات ہے جو سورہ حج کی آخری آیت میں فرمائی گئی:

وَجَاهِدُوا فِي اللّٰهِ	اور اللہ کی راہ میں جدوجہد کرو
حَقَّ جِهَادِهٖ ؕ هُوَ اجْتَبٰكُمْ	جیسا کہ اس کا حق ہے۔ اسی نے
وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي	تم کو برگزیدہ کیا اور دین کے
الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ؕ مِلَّةَ	معاملے میں تم پر کوئی تنگی نہیں
اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ؕ هُوَ	رکھی۔ تمہارے باپ ابراہیم کی
سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۵	ملّت کو تمہارے لئے پسند فرمایا۔
مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ	اسی نے تمہارا نام مسلم رکھا اس
الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ	سے پہلے اور اس قرآن میں

وَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ ج صلے فَأَقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوا بِاللّٰهِ ط هُوَ مَوْلٰكُمْ ج فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ہ	بھی تمہارا نام مسلم ہے تاکہ رسول تم پر اللہ کے دین کی گواہی دے اور تم دوسرے لوگوں پر اس کی گواہی دو اور نماز کا اہتمام رکھو اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو اور اللہ کو مضبوط پکڑو۔ وہی تمہارا مرجع

ہے - اور کیا ہی خوب مرجع اور کیا ہی خوب مددگار ہے!!

اس آیت پر تدبّر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاد اور شہادت علی الناس کی اصطلاحات میں وہ تمام تقاضے آ گئے جن کی ادائیگی بحیثیتِ امّت مسلمہ ہر مسلمان پر لازم اور واجب ہے - اس کام کے لئے یہاں سہارا اعتصام باللہ، فرمایا گیا - اس اجمال کو سورہ آلِ عمران میں کھول دیا گیا کہ: وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا — اب بھی کچھ اجمال رہ گیا کہ حبل اللہ سے مراد کیا ہے! چونکہ قرآن کی تبیین بھی آپؐ کے فرائض منصبی میں شامل تھی - لہٰذا آں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے متعدد ارشاداتِ مبارکہ میں اس اجمال کی تشریح و توضیح فرمادی کہ اللہ کی کتاب قرآن مجید ہی درحقیقت حبل اللہ ہے جس سے اعتصام کا، چمٹ جانے کا جڑ جانے کا اور جس کو مضبوطی سے تھام لینے کا اللہ تعالےٰ نے حکم دیا ہے۔ حجۃ الوداع کے خطبہ کے آخری الفاظ میں آپ کو سنا چکا کہ: وَقَدْ تَرَكْتُ فِيْكُمْ مَا اِنِ اعْتَصَمْتُمْ بِهٖ فَلَنْ تَضِلُّوْا اَبَدًا اَوْ هُوَ كِتَابُ اللّٰهِ — ایک طویل حدیث میں جس کے راوی ہیں حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ، نبی اکرمؐ نے قرآن کی عظمت و شوکت، اس کے مقام و مرتبہ اور اس کی اہمیت بیان فرما کر قرآن مجید کے متعلق فرمایا کہ: هُوَ حَبْلُ اللّٰهِ الْمَتِيْنُ — یہ قرآن ہی اللہ کی مضبوط رسّی ہے - ایک حدیث میں جو حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے مروی ہے یہ الفاظ آئے ہیں:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلے اللہ عليہ وسلم كِتَابُ اللّٰهِ	"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی کتاب (قرآن)

هُوَ حَبْلُ اللّٰهِ الممدود من السَّمَآءِ اِلَی الْاَرْضِ

یہی اللہ کی رسی ہے جو آسمان سے زمین تک پہنچی ہوتی ہے۔

ایک اور حدیث بھی سن لیجئے جس کے راوی ہیں حضرت جبیر ابن مطعم رضی اللہ تعالےٰ عنہ:

قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم الیس تشہدون ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریك لہ وانی رسول اللہ و ان القرآن جاء من عند اللہ؟ قلنا بلیٰ قال فابشروا فان ھذا القرآن طرفہ بید اللہ وطرفہ بایدیکم فتمسکوا بہ فانکم لن تھلکوا ولن تضلوا بعدہ ابداً

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کیا تم اس کی گواہی نہیں دیتے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ تنہا ہے اور اس کے ساتھ کوئی شریک نہیں اور یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں اور یہ کہ قرآن اللہ کے پاس سے آیا ہے؟ ہم نے عرض کیا یقیناً۔ تب آپ نے فرمایا، پس تم خوشیاں مناؤ اس لئے کہ اس قرآن کا ایک سرا اللہ تعالےٰ کے ہاتھ میں ہے اور ایک سرا تمہارے ہاتھ میں پس اسے مضبوطی سے تھامے رکھو۔ (اگر تم نے ایسا کیا) تو تم اس کے بعد نہ کبھی ہلاک ہوگے، نہ کبھی گمراہ۔

سورہ حج کی آخری آیت کی طرف پھر مراجعت فرمایئے۔ وہاں جہاد اور شہادت علی الناس کے فرائض کا ذکر فرما کر ساتھ ہی ارکان اسلام میں سے بطور نمائندہ دو ارکان کے التزام حکم کا عطا فرمادیا اور اس طرح اُمت کی تربیت و تزکیہ کا طریق اور نصاب کا تعین فرمادیا۔ پھر اعتصام باللہ کا حکم دے کر قرآن کو اپنا ہادی و رہنما بنانے کی طرف بھی رہنمائی فرمادی۔

الغرض انقلابی جدوجہد کے پہلے جو دو قدم ہیں، ان کے لئے مبنیٰ، مدار، مرکز و محور اس کا ذریعہ اور وسیلہ صرف اور صرف قرآن ہے۔ ہمارے

اسی قرآن کو ترک کر دینا ہے ۔ علامہ اقبال نے جو بات جواب شکوہ میں حد درجہ سادہ الفاظ میں یوں کہی تھی کہ ؎

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر ‏ ‏ ‏ ‏ اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر

اسی بات کا علامہ مرحوم نے نہایت درد انگیز اور حسرت آمیز پیرائے میں اپنے فارسی کلام میں اس طرح اعادہ کیا ہے ؎

خوار از مہجوریٔ قرآں شدی ‏ ‏ ‏ ‏ شکوہ سنج گردش دوراں شدی
اے چو شبنم بر زمین افتندۂ ‏ ‏ ‏ ‏ در بغل داری کتاب زندۂ

گویا اسی "کتاب زندہ" سے مسلمانوں کا احیاء وابستہ ہے ۔ اصلاح معاشرہ ہو، اسلامی نظام کا قیام ہو، اسلامی ممالک کی بقا اور ان کا استحکام ہو، ان سب کا تعلق احیائے قرآن سے ہے ۔ احیائے قرآن ہی مسلمانوں میں اللہ، اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد کی محبت کی جوت جگائے گا ۔ ان کے دلوں میں ایمان تازہ کی مشعل فروزاں کرے گا ۔ اسی قرآن سے مسلمانوں کا اللہ اور اس کے رسول سے تعلق صحیح بنیادوں پر استوار ہوگا ۔ یہ کام نہیں ہوگا تو میرے نزدیک اس سلطنت خداداد پاکستان میں صحیح معنی میں اسلام کا وہ کام نہیں ہوگا جو مطلوب اور پیش نظر ہے ۔ چند نمائشی اور ظاہری کام شاید ہو جائیں ۔ یہی پیغام علامہ اقبال مرحوم پچاس ساٹھ سال قبل دے گئے ہیں کہ ملت کے تن مردہ میں انقلابی روح پھونکنے اور اس میں عمل کا داعیہ پیدا کرنے کے لئے آبِ حیات کا چشمہ و منبع دراصل قرآن ہی ہے ۔

بر خور از قرآں اگر خواہی ثبات ‏ ‏ ‏ ‏ در ضمیرش دیدہ ام آبِ حیات
می دہد ما را پیامِ لاتخف ‏ ‏ ‏ ‏ می رساند بر مقامِ لاتخف
گوہر دریائے قرآں سفتہ ام ‏ ‏ ‏ ‏ شرح رمزِ صبغۃ اللہ گفتہ ام
فکرِ من گردوں مسیر از فیض اوست ‏ ‏ ‏ ‏ جوئے ساحل ناپذیر از فیض اوست
پس بگیر از بادۂ من یک دو جام ‏ ‏ ‏ ‏ تا درخشی مثلِ تیغِ بے نیام

ایک مقام پر فرماتے ہیں ؎

از یک آئینی مسلماں زندہ است   پیکرِ ملّت ز قرآں زندہ است
ما ہمہ خاک و دلِ آگاہ اُوست   اعتصامش کن کہ حبل اللہ اُوست
چوں گہر در رشتۂ اُو سفتہ شو!   ورنہ مانند غبار آشفتہ شو!

انقلابی نظریہ اور اس کے مطابق تربیت کے ساتھ ساتھ تنظیم کا مرحلہ چلتا ہے - چونکہ تنظیم کے بغیر انقلابی جدوجہد تو دور کی بات ہے کوئی اصلاحی، رفاہی، فلاحی، تعلیمی اور سماجی نوع کے اجتماعی کام بھی انجام نہیں پا سکتے- اسی لئے اسلامی انقلابی جماعت کو قرآن نے حزب اللہ قرار دیا ہے - اور اس کے لئے 'اُمّت' کا لفظ بھی استعمال فرمایا ہے - حزب (PARTY) کسی اعلیٰ مقصد کی انجام دہی کے لئے وجود میں آتی ہے - اسی طرح اُمّت کا حقیقی مفہوم یہ ہے کہ جو لوگ کسی امرِ جامع، کسی قدرِ مشترک، کسی نظریہ (IDEOLOGY) کو قبول کر لیں تو اُن افراد کا مجموعہ 'اُمت' قرار پائیگا۔ یہی سبب ہے کہ قرآن مجید نے مسلمانوں کی ہیئت اجتماعیہ کے لئے لفظ "قوم" استعمال نہیں کیا اور نہ حدیث میں یہ لفظ استعمال ہوا - وجہ یہ ہے کہ دنیا میں ہمیشہ سے قومیت کا تصور یہ چلا آرہا ہے کہ وہ یا نسل کی بنیاد پر مبنی ہے یا علاقہ، ملک، وطن اور زبان کی بنیاد پر ــ یہ تصور ہمارے دین کے تصورات سے بالکل متضاد اور متناقض ہے - اسلام کا اصل الاصول اخوت ہے - ہر مسلمان ایک دوسرے کا بھائی ہے خواہ وہ مشرق کا رہنے والا ہو، خواہ مغرب کا - خواہ وہ گورا ہو خواہ کالا - وہ چاہے کسی نسل کسی قوم اور کسی ملک کا رہنے والا ہو - چاہے وہ کوئی زبان بولتا ہو - چنانچہ سورۃ حجرات میں فرمایا: اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ - "بالیقین تمام اہل ایمان آپس میں بھائی بھائی ہیں -" اس اصل الاصول کی بھی علامہ اقبال نے خوب خوب ترجمانی کی ہے - ان کی ترانۂ ملّی کے نام سے بڑی مشہور نظم ہے - جس کا پہلا شعر ہے: ؎

چین و عرب ہمارا ہندوستاں ہمارا   مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا

بانگ درا میں ان کی 'طلوع اسلام' کے عنوان سے ایک طویل نظم ہے -

اس نظم کو علامہ کی اُردو ملّی شاعری کے نہایت بلیغ و فصیح ' خلاصے ' کا مقام دیا جائے تو غلط نہ ہوگا۔ علامہ فرماتے ہیں۔

یہی مقصودِ فطرت ہے، یہی رمزِ مُسلمانی
اخوّت کی جہانگیری، محبت کی فراوانی
بتانِ رنگ و خوں کو توڑ کر ملّت میں گم ہو جا
نہ تورانی رہے باقی، نہ ایرانی، نہ افغانی
میانِ شاخساراں صحبتِ مرغِ چمن کب تک
ترے بازو میں ہے پروازِ شاہینِ قہستانی
گمان آبادِ ہستی میں یقیں مردِ مسلماں کا
بیاباں کی شبِ تاریک میں قندیل رہبانی!
مٹایا قیصر و کسریٰ کے استبداد کو جس نے
وہ کیا تھا؟ زورِ حیدرؓ، فقرِ بوذرؓ، صدقِ سلمانیؓ!
ہوئے احرارِ ملّت جادۂ پیما کس تجمل سے
تماشائی شگافِ در سے ہیں صدیوں کے زندانی!

ثباتِ زندگی ایمانِ محکم سے ہے دُنیا میں
کہ المانی سے بھی پائندہ تر نکلا ہے تورانی!
جب اس انگارۂ خاکی میں ہوتا ہے یقیں پیدا
تو کر لیتا ہے یہ بال و پرِ روح الامیں پیدا

بانگِ درا ہی میں " وطنیت " کے عنوان سے علامہ نے وطنی قومیت کی نفی میں جو معرکتہ الآراء نظم کہی ہے، بے اختیار اس کا ایک بند یاد آرہا ہے، وہ بھی سن لیجئے

یہ بُت کہ تراشیدۂ تہذیبِ نوی ہے
غارت گرِ کاشانۂ دینِ نبویؐ ہے
بازو ترا توحید کی قوت سے قوی ہے
اسلام ترا دیس ہے، تو مصطفوی ہے

نظارۂ دیرینہ زمانے کو دکھا دے
اے مصطفوی خاک میں اس بُت کو ملا دے

اپنی ملت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر　　　خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمی

بات چلی ہے تو علامہ کے فارسی کلام سے بھی دو شعر پیش کرتا ہوں ؎

کلّ مومنٍ اِخوۃٌ اندر دلش　　　حریت سرمایۂ آب و گلش

ناشکیب امتیازات آمدہ　　　در نہادِ او مساوات آمدہ

یہ تمام معروضات میں نے اس لئے پیش کی ہیں کہ قرآن کے انقلابی فکر اور نظریے سے چہار دانگ عالم کو روشناس اور واقف کرانے اور اسلامی انقلاب کے لئے جماعت، تنظیم اور حزب (پارٹی) کا وجود و قیام لابدمنہ ہے۔ لازم ہے، واجب ہے۔ جماعت کے بغیر کوئی اجتماعی کام انجام دینا بھی محال ہے تو اس کے بغیر اسلامی و قرآنی انقلاب کا فریضہ کیسے انجام دیا جا سکتا ہے!! ۔ پھر جماعت و تنظیم بھی انجمن اور اداروں کی طرز کی ڈھیلی ڈھالی مطلوب نہیں ہے۔ بلکہ وہ جماعت درکار ہے جس کی تعلیم ملتی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس تاکیدی فرمان میں کہ:

اٰمرکم بخمسٍ بالجماعۃ والسمع والطاعۃ والھجرۃ والجہاد فی سبیل اللہ ۔

قرآن مجید اور دین کی مجموعی تعلیمات سے لزوم جماعت کے لئے متعدد استشہاد پیش کئے جا سکتے ہیں ۔ لیکن میں دو آیات پیش کرنے پر اکتفا کروں گا۔ سورہ آل عمران کی آیت نمبر ۱۱۰ میں واضح طور پر فرمایا کہ "اے اہل ایمان! ہم نے تم کو ایک بہترین امت بنایا ہی اس مقصد کے لئے ہے۔ نوع انسانی کے لئے برپا ہی اس کے لئے کیا گیا ہے کہ تم لوگوں کو نیکی کا حکم دو، برائیوں سے روکو اور اللہ پر پختہ ایمان رکھو" گویا امر بالمعروف و نہی عن المنکر اس امت کا منشور (Manifesto) ہے۔ اس کام کی انجام دہی اس کا فرض منصبی ہے، دنیا میں ان الحکم الا للہ کا عملی مظاہرہ ہی امت کو کرنا ہے چونکہ اقتدار و قوت نافذہ کے بغیر نیکیوں کا بول بالا اور بدیوں کا استیصال اور قلع قمع ممکن نہیں۔ فرمایا: ۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ

اسی کی ترجمانی علامہ نے شکوہ میں یوں کی ہے ۔ ؎

صفحۂ دہر سے باطل کو مٹایا ہم نے ۔۔۔ نوعِ انسانی کو غلامی سے چھڑایا ہم نے
تیرے کعبے کو جبینوں سے بسایا ہم نے ۔۔۔ تیرے قرآن کو سینوں سے لگایا ہم نے

اور ایک اگلے بند کے آخری شعر میں کہتے ہیں ؎

ہم تو جیتے ہیں کہ دُنیا میں ترا نام رہے
کہیں ممکن ہے کہ ساقی نہ رہے جام رہے

ان اشعار میں ـــ اصل میں تو متقدمین کا تذکرہ ہے اس بند میں ان کے کارناموں کو بطور تلمیح بیان کیا گیا ہے ۔ لیکن ہمارا جو حال ہے ، اس کا نقشہ دیکھنا ہو تو علامہ کا جواب شکوہ پڑھیے ۔

اگر اُمت بحیثیت امت اپنے فرض منصبی کی انجام دہی سے غافل ہو جائے تو کیا کیا جائے ۔! اس کا حل بھی سورہ آل عمران کی آیت ۱۰۴ میں بیان فرما دیا گیا کہ : وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ اس آیت کے آخر میں حصر کا اسلوب ہے یعنی حقیقی فلاح پانے والے اس گروہ ، جماعت ، تنظیم کے لوگ ہوں گے جن کا مقصدِ حیات ہی دعوت الی الخیر ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہو گا ۔

میں نے مقدور بھر کوشش کی ہے کہ قرآنی انقلاب اور اصلاح معاشرہ کا انقلابی پہلو واضح طور پر آپ کے سامنے بیان کر دوں ۔ ساری گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ انقلابِ محمدی علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام کے تین مراحل ہیں جو ہر انقلابی جدوجہد کے لئے ناگزیر ہوتے ہیں ـــ ایک مرحلہ انقلابی نظریہ و فکر ـــ اس کے لئے ہمارے پاس قرآن مجید ہے ـــ دوسرا مرحلہ تربیت ـــ اس کے لئے اسلام نے ہمیں عبادات اور اخلاقیات و معاملات کا ایک مکمل نظام اور نصاب دیا ہے ۔ تیسرا مرحلہ ہے اس انقلابی نظریہ کے

مطابق جد و جہد کے لئے تنظیم۔ اس کے لئے یہ اصول بیان کر دیا گیا کہ یہ تنظیم ٹھیٹھ اسلامی اصولوں کے مطابق سمع و طاعت (DISCIPLINE) والی تنظیم ہو۔ کہ سنو اور اطاعت کرو۔

اس سے آگے کے تین تکمیلی مراحل ہیں۔ اُن کا جامع عنوان ہوگا۔ "تصادم اور کشمکش" یا جہاد و قتال فی سبیل اللہ۔ تنظیم کا مرحلہ پہلے دو مرحلوں سے بھی مربوط ہے اور ان تکمیلی تین مراحل سے بھی۔ ان تکمیلی مراحل میں سے پہلا مرحلہ ہے صبر و مصابرت اور ثبات و استقامت کا۔
إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا۔

ہر انقلابی فکر و نظریہ اور دعوت کو قائم اور رائج الوقت کے جابرانہ اور استحصالی نظام کے طنز و استہزاء، جور و ستم اور ظلم و عدوان کا بتدریج نشانہ بننا پڑتا ہے۔ اس مرحلے کے لئے ہدایت یہ ہوتی ہے کہ کُفُّوا أَيْدِيَكُمْ۔ اپنے ہاتھ بندھے رکھو۔ ماریں کھاؤ۔ ظلم کی چکی میں پستے رہو لیکن جوابی کارروائی نہیں کر سکتے۔ ہاتھ نہیں اُٹھا سکتے۔ اس طرح ایک طرف تو اس انقلابی جماعت کی تربیت اور آزمائش ہوتی ہے۔ دوسری طرف عامۃ الناس کے دل اس دعوت کی طرف ملتفت ہونے لگتے ہیں یہ دعوت ان کی ہمدردیاں غیر محسوس طریق پر حاصل کرتی رہتی ہے۔ اس کو میں Active Resistance سے تعبیر کیا کرتا ہوں۔ دوسرا مرحلہ وہ ہوتا ہے جب اس انقلابی جماعت کو قوت حاصل ہو جاتی ہے اور وہ جوابی کارروائی کرنے کی پوزیشن میں آجاتی ہے تو یہ جماعت رائج نظام کی کسی دکھتی رگ کو چھیڑتی ہے۔ اس عمل کو میں Active Resistance سے تعبیر کرتا ہوں۔ تیسرا اور آخری مرحلہ ہوتا ہے مسلح تصادم (Armed conflict) کا۔ یہی وہ مرحلہ ہے کہ جس کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ صَفًّا كَأَنَّهُم بُنْيَانٌ مَّرْصُوصٌ۔

جس کو علامہ اقبال نے یوں تعبیر کیا کہ :

محبت مجھے ان جوانوں سے ہے ستاروں پہ جو ڈالتے ہیں کمند

میں نے کتاب و سنّت کا جو تھوڑا بہت مطالعہ اور اس میں غور و فکر کیا ہے تو اسی کے نتیجے میں مَیں ۱۹۶۷ء ہی میں اس نتیجہ پہ پہنچ گیا تھا کہ ان فرائض دینی یعنی تکبیرِ ربّ، اقامتِ دین، اظہارِ دین الحق علی الدین کلہ کیلئے جو جماعت بنے گی، اُس کی اساس بیعت پر ہو گی - چنانچہ مجھ سے یہ "جرم" سرزد ہوا ہے کہ میں نے جو جماعت تنظیم اسلامی کے نام سے قائم کی ہے اس کی بنیاد بیعت پر رکھی ہے — میں ہر وقت اور ہر اس شخص سے تبادلہ خیال اور افہام و تفہیم کے لئے تیار ہوں جو کتاب و سنت کے دلائل سے ثابت کر دے کہ اس مقصد کے لئے بیعت کے علاوہ بھی کسی دوسرے طریقۂ کار کے لئے قرآن و حدیث سے رہنمائی ملتی ہے — میں نے اپنی فہم کے مطابق طریق بیعت اختیار کیا ہے تو اُسے میں پورے شرح صدر کے ساتھ کتاب و سُنت سے ماخوذ ہی نہیں بلکہ عین اس کے مطابق یعنی مسنون سمجھتا ہوں۔ اور اسی پر جازم ہوں -

میں ان تکمیلی مراحل کے اس اجمال پر اکتفا کرتے ہوئے آج کی اس طویل تقریر کے خلاصے پر اپنی گفتگو ختم کرتا ہوں۔ وہ یہ کہ انقلابی دعوت اسی قرآن کی بنیاد پر اٹھے - اسی قرآن کے ذریعہ سے تزکیہ و تربیت ہو — اسی قرآن کی تعلیم، حکمت بھی اسی کا ایک جزو ہے، کا صحیح مؤثر انتظام ہو — یہ ہیں درحقیقت اس انقلاب کے ناگزیر لوازم جن کو اسلامی انقلاب کہا جاتا ہے جن کے بغیر نہ انقلاب اسلامی آئے گا اور نہ ہی اصلاح معاشرہ کی کوئی تحریک کامیاب ہوگی - تمام کوششیں ٹھٹھر کر رہ جائیں گی - وہ اپنے ماحول سے غذا ہی نہیں پائیں گی — اور حال یہ ہوگا کہ ؎

آرزو اوّل تو پیدا ہو نہیں سکتی کہیں اور ہو جائے تو مر جاتی ہے یا رہتی ہے خام

اقول قولی ھذا واستغفر اللہ لی ولکم ولسائر المسلمین والمسلمات -

امپورٹ۔ ایکسپورٹ کا قابلِ فخر ادارہ

رین بو انٹرنیشنل

برآمدی اشیاء

آرٹ سلک فیبرکس گارمنٹس ❖ بیڈ شیٹس
کاٹن کلاتھ ❖ کاٹن گارمنٹس ❖ احرام تولیہ ❖ تولیہ
ہینڈی کرافٹس ❖ لکڑی کا فرنیچر

درآمدی اشیاء

لاکھ دانہ ❖ سٹکر فلم ❖ سوچ سٹارٹر
ربڑ لیسٹکس ❖ پولیسٹر ریان۔

مرکزی دفتر

I فلور غلام رسول بلڈنگ ۶ شاہراہِ قائدِ اعظم لاہور

ذیلی دفاتر:۔ کراچی ۔ فیصل آباد۔

تعلیم وتربیت کے اصول

مولانا سید وصی مظہر ندوی

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے نوعِ انسانی کے معلم اور مربی بنا کر بھیجے گئے تھے۔ چنانچہ قرآن مجید میں آنحضرت ؐ کے اس منصب کو بار بار واضح کر کے بیان کیا گیا ہے کہ کتاب و حکمت کی تعلیم اور تزکیۂ نفس، یعنی تربیت، آپ کی بعثت کے مقاصد اوّلین میں ہیں۔

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ
يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ
الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن
قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝

"وہی ہے جس نے ان پڑھ لوگوں میں ایک رسول انہی میں سے اُٹھایا۔ جو اس کی آیات ان کو پڑھ کر سناتا ہے۔ ان کا تزکیہ کرتا ہے اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ اگرچہ وہ اس سے قبل کھلی ہوئی گمراہی میں تھے۔"

خود آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی متعدد مواقع پر اپنی اس حیثیت کا خاص طور پر اعلان فرمایا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا، بعثت معلما۔ مجھے معلم بنا کر مبعوث کیا گیا ہے۔ ایک موقعہ پر آپ نے فرمایا کہ تم پروانوں کی طرح برائی کی آگ میں جلنا چاہتے ہو اور میں تم کو اس آگ سے پکڑ پکڑ کر نکالتا ہوں۔

تعلیم و تربیت کا یہ فریضہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس خوبی سے انجام دیا، اس کا اجمالی اندازہ تو اسی بات سے ہو جاتا ہے کہ ۲۳ سال کی مختصر

مدت میں تعلیم و تربیت اور وسائل نشر و اشاعت کے فقدان کے باوجود آپؐ نے جہالت کی تاریکی میں سب سے زیادہ ڈوبی ہوئی قوم کو یکسر بدل کر رکھ دیا۔

چوری اور لوٹ مار کے عادی دوسرے کے مال سے معمولی سا ناجائز فائدہ اُٹھانے کے روادار بھی نہ رہے۔ زنا اور بدکاری کے مجرم عصمتوں کے نگہبان بن گئے۔ قتل و غارت گری کے خوگر امن و امان کے داعی بن گئے اور شیشہ و ساغر کے متوالے تحریک "امتناع شراب" کے علمبردار قرار پائے۔ اس اخلاقی انقلاب کے ساتھ ہی وہ تعلیمی انقلاب بھی برپا ہوا کہ عرب کے وہ بدو جو قرآن مجید سے پہلے عربی زبان میں کسی کتاب سے ناآشنا تھے، وہ روم، یونان اور ہند و ایران کے علمی ورثے کے نہ صرف محافظ بلکہ نشو و نما اور ترویج و ارتقاء کا ذریعہ بن گئے۔

اس کی وجہ دراصل اس نبیٔ اُمّی کی وہ تعلیم تھی جس کا آغاز:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِىْ خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ الَّذِىْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ۔

"پڑھو (اے نبی!) اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے پیدا کیا جمے ہوئے خون کے ایک لوتھڑے سے انسان کی تخلیق کی۔ پڑھو۔ اور تمہارا رب بڑا کریم ہے۔ جس نے قلم کے ذریعہ سے علم سکھایا۔

پھر حضورؐ نے ہمیشہ علم اور طالبانِ علم کی عظمت کو مختلف طرح سے ان کے ذہن نشین کیا۔ چنانچہ فرمایا کہ "صاحبِ علم کو عبادت گزار پر اتنی فضیلت حاصل ہے جتنی مجھ کو تم میں سے کسی معمولی فرد پر حاصل ہے۔ طلب علم کی فضیلت کو واضح کرتے ہوئے فرمایا کہ" طالبانِ علم کے لیے فرشتے اپنے بال و پر فرش راہ کرتے ہیں۔" طلب علم کو مہد سے لحد تک جاری رکھنے کی تلقین فرمائی اور فرمایا کہ طلب علم مسلم مرد اور عورت پر فرض ہے۔

آپؐ کی نگاہ میں تعلیم کی اہمیت کیا تھی، اس کا اندازہ اس بات سے لگائیے۔ بدر میں گرفتار کیے جانے والے بعض کفار قیدیوں کی رہائی کے لیے آپؐ نے ۱۰-۱۰ بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دینے والے کو ان کا فدیہ قرار دیا۔ بعض صحابہ کو آپؐ نے عبرانی زبان سیکھنے پر مامور کیا۔ اور نماز کی امامت میں

قرآن مجید کو سب سے زیادہ اولیت دی۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ان ہمہ جہتی مساعی کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ قوم کہ ایک وقت میں جس کے سب سے زیادہ متمدن قبیلے قریش کے صرف ۱۷ افراد معمولی پڑھنا لکھنا جانتے تھے، وہ بہت جلد دنیا کی سب سے بڑی سلطنت کی زمامِ کار پوری طرح سنبھالنے کے قابل ہوگئی اور قوم میں تعلیم کا اتنا چرچا ہو گیا کہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں صرف دمشق کی مسجد کے اندر بیک وقت ۱۶۴۱ سو طلبہ تعلیم حاصل کرتے تھے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول و عمل سے تعلیم و تربیت کے جو زریں اصول سکھائے ہیں، اگر ان کو محنت کے ساتھ جمع کیا جائے تو وہ دورِ حاضر میں ہمارے لیے تعلیم و تربیت کا بہترین لائحہ عمل بن سکتے ہیں۔ اس مضمون میں اسی طرح کے چند اصول جمع کیے گئے ہیں۔ امید ہے کہ اہلِ تحقیق کے لیے یہ مختصر اصول تحقیق و جستجو کے لیے محرک ثابت ہوں گے۔

(۱) متعلم کی توجہ کو مرکوز کرنا

تعلیم میں کامیابی کی پہلی شرط یہ ہے کہ استاد شاگردوں کی توجہ کو مرکوز کرنے میں کامیابی حاصل کرے۔ تاکہ وہ استاد کی بات دلچسپی کے ساتھ سنیں اور اس طرح ان کے ذہن و دماغ میں مطلوب تعلیم کا نقش ثبت ہو جائے۔ اس مقصد کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم متعلّمین سے سوال کر کے ان کو جواب معلوم کرنے کی طرف متوجہ کرتے تھے۔ آپ نے حجۃ الوداع کی تقریر میں سامعین سے دریافت کیا، یہ کونسا شہر ہے؟ یہ کون سا مہینہ ہے، یہ کون سا دن ہے؟ —— مزید متوجہ کرنا مقصود ہوتا تو سوال کر کے کچھ دیر سکوت فرماتے تھے تاکہ جواب سننے کا اشتیاق بڑھ جائے۔ مثلاً حجۃ الوداع کی اسی تقریر میں آپ ہر سوال کے بعد سکوت فرماتے یہاں تک کہ سامعین کو خیال گزرتا تھا کہ شاید حضور شہر، مہینہ اور دن کا معروف نام تبدیل کر کے کوئی دوسرا نام تجویز فرمائیں گے۔

سوال کے اسلوب کو اور زیادہ مؤثر بنانے کے لیے بعض دفعہ آپؐ کوئی ایسا سوال کرتے جس کا جواب ہر شخص دے سکتا لیکن آپؐ اس معروف جواب

کے بجائے سوال کا جواب دیتے ہوئے کسی ایسی حقیقت کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ مثلاً ایک بار آپ نے دریافت فرمایا اتدرون من المفلس؟ کیا تم کو معلوم ہے کہ مفلس کون ہے؟ صحابہ نے جواب دیا، یارسول اللہؐ، ہم اسے مفلس کہتے ہیں جو درہم دینار سے تہی دست ہو۔ آپؐ نے فرمایا کہ میری امت کا مفلس انسان وہ ہے جس نے دنیا میں نیکیاں تو بہت کی ہوں گی لیکن لوگوں کے حقوق بھی خوب مارے ہوں گے تو قیامت کے دن اس کی ساری نیکیاں اس سے لے کر ان لوگوں کو دے دی جائیں گی جن کے حقوق اس نے تلف کیے تھے اور اگر اس طرح بھی حساب برابر نہ ہوا تو ان لوگوں کے گناہ ان سے لے کر اس شخص پر ڈال دیئے جائیں گے۔

تعلیم کی طرف ذہن کو متوجہ کرنے کے لیے کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اصل مقصود کے اظہار سے قبل کوئی نہایت چونکا دینے والی بات فرماتے تاکہ سامعین پوری طرح متوجہ ہو جائیں۔ مثلاً ایک بار آپؐ نے فرمایا" اس شخص کے لیے تباہی ہو۔ اس شخص کے لیے تباہی ہو۔ اس شخص کے لیے تباہی ہو"۔ اصحاب نے دریافت کیا، وہ کون بدبخت ہے جس کے بارے میں حضور یہ کلمات ارشاد فرما رہے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا۔ بوڑھے ماں باپ کی خدمت نہ کرنے والے کے لیے۔

عملی مظاہرہ کسی حقیقت کو ذہن نشین کرنے کے لیے استاد کو متعلمین کے سامنے عملی مظاہرہ بھی کرنا پڑتا ہے۔ چنانچہ حضورؐ نے بھی اپنی تعلیم کا بیشتر حصّہ عملی مظاہرہ کے ذریعہ عام فرمایا۔

مثلاً ایک شخص نے حضورؐ سے نماز کے اوقات دریافت کیے۔ آپؐ نے اس کو اپنے پاس دو دن تک روک لیا۔ پہلے دن آپ نے پانچوں نمازیں نہایت اول وقت میں ادا کیں اور دوسرے دن ساری نمازیں آخری وقت میں ادا کیں اور پھر سائل سے کہا کہ نماز کا وقت ان دونوں وقتوں کے درمیان میں ہے"۔ اسی طرح آپؐ نماز کے بارے میں کہا کرتے تھے کہ جس طرح تم مجھ کو نماز پڑھتے دیکھتے ہو، اسی طرح نماز پڑھو۔

حج کے لیے آپؐ نے فرمایا: خذوا عنی مناسککم۔

"حج کے مناسک تم مجھ سے عملاً حاصل کرلو۔" بعض وقت کسی علمی نکتہ کو سمجھانے کے لیے اس کو مخصوص شکل میں پیش کرنا پڑتا ہے۔ چنانچہ ایک بار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کی تفسیر فرمارہے تھے۔

وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ

"اور اے بندو، یہ ہے میرا راستہ سیدھا۔ تو اس راستہ کی پیروی کرو۔ دوسری راہوں پر نہ چلو ورنہ وہ راہیں تم کو میری راہِ راست سے دور کر دیں گی۔"

تو آپؐ نے اسلام کی صراطِ مستقیم کو باطل کی منتشر راہوں میں سے ممتاز کرنے کے لیے ایک سیدھی لکیر کھینچی اور اس کے متصل بہت سی لکیریں ٹیڑھی ترچھی بنا کر بتایا کہ منزل تک پہنچانے والی سیدھی راہ بس یہ راہ ہے۔

اسی طرح ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر بکری کے ایک مرے ہوئے بدبودار بچے کے پاس سے ہوا تو آپؐ نے صحابہ سے دریافت کیا کوئی شخص اس مُردار کو ایک درہم میں خریدنا پسند کرے گا۔ صحابہ کرامؓ نے فرمایا، ہم تو اسے مفت لینا بھی پسند نہ کریں گے تو آپؐ نے فرمایا کہ آخرت کے مقابلے میں دنیا کی بھی بس اتنی ہی قدر و قیمت ہے۔

تکرار و اعادہ

بات کو ذہن نشین کرانے کے لیے استاد کو تکرار اور اعادہ کی بھی ضرورت پیش آتی ہے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خطبات اور نصائح کو بالعموم تین تین بار دہرایا کرتے تھے اور کلام کو واضح اور دلنشیں انداز میں پیش کرتے تھے۔ یہاں تک کہ صحابہ آپؐ کے کلام کو بالفاظہٖ یاد کرلیتے تھے۔ چنانچہ ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم شرک اور جھوٹی گواہی کی بُرائی کو ذہن نشین کرانے کے لیے اس جملے کا بار بار دیر تک اعادہ کرتے رہے" بڑے گناہوں میں سب سے بڑا گناہ اللہ کے ساتھ شرک کرنا اور جھوٹی گواہی دینا ہے۔"

تشبیہات کا استعمال

متعلم کے ذہن میں کسی حقیقت کو جاگزیں کرنے کے لیے تشبیہات کی ضرورت مسلم ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں اسی وجہ سے تمثیل اور تشبیہ کا بکثرت استعمال ملتا ہے۔ مثلاً آپؐ نے ایک بار دریافت کیا کہ "اگر کسی شخص کے گھر کے سامنے دریا رواں ہو اور وہ اس میں ہر روز پانچ بار غسل کرتا ہو تو کیا اس کے جسم پر پھر بھی میل کچیل باقی رہے گا؟ صحابہؓ نے جواب دیا نہیں یا رسول اللہ آپؐ نے فرمایا پانچ وقت کی نمازوں کی یہی مثال ہے۔ ان نمازوں سے اللہ تعالیٰ اسی طرح گناہوں کو مٹاتا رہتا ہے۔

اسی طرح ایک بار آپؐ نے دنیا کی حقیقت ذہن نشین کراتے ہوئے فرمایا کہ آخرت کے مقابلے میں دنیا کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی سمندر میں اپنی انگلی ڈبوئے تو سمندر میں سے جتنا پانی اس کی انگلی میں لگے گا، آخرت کے مقابلے میں دنیا کی بھی وہی نسبت ہے۔

سائل کے سوال کو توجہ سے سُننا

کسی شخص کو اپنی بات سمجھانے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے اس کی ذہنی کیفیت کو سمجھا جائے۔ اسی غرض کے لیے معلم کو شاگرد کا سوال توجہ سے سُننا چاہیئے تاکہ ایک طرف سائل کو یہ اطمینان حاصل ہو کہ اس کی بات مکمل توجہ سے سُنی گئی ہے۔ دوسری طرف جواب دینے والا اصل ذہنی الجھن کو سمجھ کر شافی جواب دے سکے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق صحابہؓ کا بیان یہ ہے کہ آپؐ کسی کی بات نہ کاٹتے تھے۔ جب کہنے والا اپنی بات پورے اطمینان سے کہہ لیتا تو آپؐ اس کا جواب دیتے تھے۔

سوال و جواب کے ذریعہ تعلیم

تعلیم کا ایک طریقہ یہ ہے کہ دو اساتذہ یا مانیٹر اور استاد باہم سوال و جواب کا سلسلہ شروع کرتے ہیں تاکہ عام طلبہ علمی مسائل کو بخوبی سمجھ لیں۔ اس طریق تعلیم کی متعدد مثالیں حضورؐ کے مدرسۂ علمی میں ملتی ہیں۔ مثلاً ایک بار یا ایک سے زائد بار حضرت جبرئیلؑ انسانی شکل میں حضورؐ کی خدمت میں آئے اور انہوں نے حضورؐ سے متعدد سوالات اس غرض سے کیے کہ صحابہ کرام ان سوالوں کے صحیح جوابات سے واقف ہو جائیں۔

(۲)

تربیتی اصول

تعلیم سے زیادہ دشوار اور پیچیدہ مسئلہ تربیت کا ہے۔ فاسد اخلاق اور بُری عادات سے پاک کر کے اچھی سیرت اور اخلاق کو نشو ونما دینا انتہائی صبر و تحمل، خداداد حکمت و دانائی اور غیر معمولی فہم و فراست کا طلبگار ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تربیت کے اس نازک کام کو جس طرح انجام دیا ہے۔ اس کی نظیر سے دنیا خالی ہے۔

حضورؐ کی سیرت سے خوشہ چینی کرتے ہوئے چند اصول یہاں پیش کیے جا رہے ہیں۔

(۱) قول و عمل کی یکسانی

مربی کے لیے سب سے زیادہ ضروری بات یہ ہے کہ وہ قول و عمل کے تضاد سے پاک ہو اور خود اس کی سیرت بے داغ ہو۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تقاضے کو اس طرح پورا کیا کہ آپؐ نے ہر معاملے میں ہمیشہ راہ عزیمت اختیار کی۔ کبھی رخصتوں سے فائدہ نہ اٹھایا۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

رات کے وقت نمازوں میں طویل قیام سے پیروں پر ورم آجاتا۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا۔ آپؐ اتنی عبادت کیوں کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تو آپ کی اگلی پچھلی تمام کوتاہیوں کو معافی کا مژدہ سنا دیا ہے۔

آپؐ نے فرمایا: افلا اکون عبدا شکورا۔ کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں۔

مسجد نبوی کی تعمیر ہو یا خندق کی کھدائی۔ جنگل سے لکڑی لانا ہو یا لشکر کی رکھوالی کرنا۔ ہر کام میں حضور خود پیش پیش ہوتے۔

مدینہ منورہ ایک زمانے میں بیرونی خطرات سے گھرا ہوا تھا۔ ہر وقت حملے کا خطرہ رہتا۔ ایک رات کو ایک طرف سے کچھ شور ہوا۔ لوگ دوڑ پڑے کہ شاید بیرونی حملہ ہو گیا۔ آواز کی سمت میں کچھ دور چلے تو کیا دیکھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم بغیر زین کے گھوڑے پر سوار اسی سمت سے واپس آرہے ہیں۔ آپؐ نے ان لوگوں کو دیکھ کر اطمینان دلایا اور بتایا کہ میں معاملے کی خود تحقیق کر آیا ہوں۔ کوئی

خطرہ نہیں ہے۔ آپ کی ذاتی سیرت و کردار کے بارے میں قرآن کی گواہی ہے، اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیۡمٍ ۔ "بے شک (اے رسول) تو عظیم اخلاق کے مرتبہ پر فائز ہے۔"

جود و سخا، صدق و وفا، شجاعت و حمیت، اخلاق و مروت، امانت و دیانت، عفو و حلم کا آپ پیکر تھے۔ یہی وجہ ہے کہ کبھی آپ کے بدترین دشمنوں کو بھی آپ کے کردار پر حرف گیری کا موقع نہ مل سکا۔

تربیت میں نفسیات کا لحاظ

مربی کے لیے دوسری ضروری بات یہ ہے کہ وہ اصلاح و تربیت کے کام میں نفسیات کا پورا لحاظ رکھے اور بات کو ایسے انداز اور ایسے موقع پر کہے کہ وہ سامع کے دل میں اترتی چلی جائے۔ آنحضورؐ اس کا خصوصی اہتمام فرماتے تھے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

طویل خطبوں سے اجتناب

وعظ و نصیحت میں جو لوگ طویل گوئی سے اجتناب نہیں کرتے، ان کے سامع ان سے نفور ہو جاتے ہیں۔ اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی طویل خطبوں سے اجتناب کرتے اور دوسروں کو بھی لمبی لمبی یا موقع بے موقع نصیحتیں کرنے سے منع کرتے تھے۔

عزتِ نفس کا خیال

جس شخص کی تربیت و اصلاح مقصود ہو اس کی عزتِ نفس کا خیال رکھنا اشد ضروری ہے۔ کیونکہ کسی شخص کو ذلیل کرنے کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ اس میں ضد اور اپنی غلطی پر اصرار کی کیفیت پیدا ہو جائے گی۔ یا پھر وہ ذلت کو قبول کر کے پستی کے اُس مقام پر پہنچ جائے گا جہاں اسے اپنی اصلاح کی ضرورت ہی محسوس نہ ہوگی۔

یہی وجہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تربیت و اصلاح میں عزتِ نفس کو مجروح کرنے سے قطعی طور پر اجتناب فرماتے تھے۔ چنانچہ کسی غلط کام کرنے والے کو یا تو تنہائی میں نصیحت فرماتے یا عمومی اصلاح کی غرض سے اگر مجمع عام میں نصیحت فرماتے تو کسی خاص شخص کا نام نہ لیتے بلکہ عمومی الفاظ استعمال فرماتے تھے۔ مثلاً ما بال اقوام یفعلون کذا " بعض لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ فلاں

کام کرتے ہیں "۔ یا اگر کسی شخص کا نام لے کر اس کو اس کی برائی پر ٹوکتے تھے تو پہلے اس کی خوبیاں بیان فرماتے۔ مثلاً ایک بار آپؐ نے ایک شخص کی بعض غلطیوں کی نشاندہی کرتے ہوئے فرمایا: نعم الرجل خریم الاسدی۔ "خریم اسدی بہت اچھا انسان ہے کاش اس میں فلاں فلاں کمزوریاں نہ ہوتیں"

اگر حدودِ الٰہی کی خلاف ورزی کی بنا پر کسی کو کوئی سزا دی جاتی تو نہ اس آدمی سے خود نفرت کرتے اور نہ کسی اور کی جانب سے نفرت کے مظاہرے کو پسند فرماتے۔ ایک بار شراب نوشی کے جرم میں کسی شخص کو سزا دی جا رہی تھی۔ ایک صحابی نے اس پر لعنت کے کلمات کہے تو آپ نے فرمایا کہ اس طرح کے الفاظ کہہ کر اس شخص کے خلاف شیطان کے ہاتھ مضبوط نہ کرو۔ (کیونکہ اس طرح یہ شخص عزتِ نفس سے محروم ہو کر گناہوں پر شرمندہ ہونا ہی چھوڑ دے گا)۔

اس طرح ایک بار ایک عورت کو زنا کی سزا میں سنگسار کیا جا رہا تھا (یہ وہی عورت ہے جس نے گناہ کا از خود اقرار اور سزا دینے کی بار بار درخواست کی تھی) تو ایک صحابی کی زبان سے اس کے بارے میں کچھ برے کلمات ادا ہوئے آپ نے فرمایا۔ یہ بات نہ کہو۔ واقعہ یہ ہے کہ اس عورت نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر اس توبہ کو ظالمانہ ٹیکس وصول کرنے والے ستر حکمرانوں پر تقسیم کر دیا جائے تو بھی وہ توبہ ان سب کی نجات کے لیے کافی ہو۔

اصلاح میں صبر و تحمل

اصلاح و تربیت کے لیے صبر و تحمل ناگزیر ہے اگر مربی یا مصلح غلطیوں کو دیکھ کر غصہ ہو جائے تو وہ اصلاح کرنے میں قطعاً کامیاب نہیں ہو سکتا۔ ایک طبیب کو مرض کا تو دشمن ہونا چاہیئے لیکن اسی کے ساتھ ساتھ اسے مریض کا ہمدرد و غمگسار بھی ہونا چاہیئے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی طریقہ تھا۔ ایک بار کوئی ناواقف دیہاتی مسجد میں پیشاب کرنے لگا۔ صحابہ کرام ناراض ہو کر اسے ڈانٹنے لگے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو منع کیا اور جب دیہاتی پیشاب کر چکا تو اسے بلا کر سمجھایا کہ یہ عبادت گاہ ہے۔ یہاں گندگی پھیلانا مناسب نہیں ہے۔ پھر صحابہ کو حکم دیا، اس پر پانی کے چند ڈول بہا دیں۔

ایک بار ایک یہودی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نہایت سختی بلکہ بدتہذیبی

کے ساتھ اپنے قرض کی واپسی کا تقاضا کیا۔ حضرت عمرؓ غصہ ہو کر یہودی کو قتل کرنے کے لیے بڑھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں روکا اور فرمایا کہ یہ کیا نادانی ہے۔ بہتر تو یہ تھا کہ مجھے حسنِ ادائیگی کی تلقین کرتے اور یہودی کو تقاضا کرنے کا معقول طریقہ سکھاتے۔

اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی ذاتی تکلیف کی وجہ سے کسی پر غصہ نہ ہوتے تھے۔ حضرت انس رضؓ جو دس سال کی عمر سے بیس سال کی عمر تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذاتی خادم کی حیثیت سے کام کرتے رہے ہیں، ان کا بیان ہے کہ میری بچکانہ حرکتوں اور خدمت میں کوتاہیوں کے باوجود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کبھی نہ مارا نہ ڈانٹا حتیٰ کہ میرے کسی کام پر یہ تک نہ کہا کہ انس تم نے یہ کیا کیا۔

اصلاح کے لیے مناسب نفسیاتی لمحہ کا انتخاب

تربیت و اصلاح کے لیے اس بات کی اہمیت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ بے موقع نصیحت فائدہ کے بجائے نقصان کا موجب ہوتی ہے اور مناسب موقع پر ذرا سی بات دل کی گہرائی میں اُترتی چلی جاتی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس اصول کو پوری طرح مدِنظر رکھتے تھے۔ چنانچہ آپؐ نے ایک بار دیکھا کہ دو آدمی باہم لڑ رہے ہیں۔ آپؐ نے اپنے قریب دیگر اصحاب سے کہا کہ میں ایک ایسا کلمہ جانتا ہوں جو اگر یہ دونوں آدمی پڑھ لیں تو غصہ کی کیفیت ختم ہو جائے لیکن اس لڑائی کی حالت میں آپ نے خود ان لڑنے والوں کو جا کر وہ کلمہ نہ سکھایا کیونکہ اس وقت ان کی حالت اس لائق نہ تھی کہ وہ کوئی بات سننے کے لیے تیار ہوتے۔

اسی طرح ایک بار جبکہ ابھی شراب حرام نہ ہوئی تھی، دو ممتاز اصحاب کے درمیان شراب کے نشہ میں باہم سخت جھگڑا ہو گیا۔ حالانکہ دشمنوں کے نرغے میں گھرے ہونے کے باعث ہر مسلمان باہمی اتحاد کی ضرورت شدت سے محسوس کر رہا تھا تو آپؐ نے اسی نفسیاتی موقعہ سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے قرآن مجید کی یہ آیت تلاوت کی:

اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ

اَلْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ
وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ
الصَّلٰوةِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ۝

"شیطان تو محض یہ چاہتا ہے کہ تمہارے درمیان شراب اور جوئے کے ذریعے دشمنی اور بغض پیدا کر دے اور تم کو اللہ کی یاد اور نماز سے روک دے تو کیا اب تم شراب نوشی سے باز آجاؤ گے۔"

اس موقع پر اس آیت نے اتنا اثر کیا کہ صحابہؓ نے یک زبان ہو کر کہا، انتھینا) انتھینا، ہم باز آگئے، ہم باز آگئے۔

اخلاص، خیر خواہی اور ہمدردی

اصلاح کے لیے ضروری ہے کہ زیرِ تربیت شخص آپ کے قول و عمل میں اخلاص کا رنگ، خیر خواہی کی مٹھاس اور ہمدردی کی لذت کو محسوس کرے۔ بصورت دیگر پند و نصائح کے دفتر کے جواب میں ایک ہی صدا قلب و دماغ سے ابھرتی ہوئی سنائی دے گی:

> کوئی چارہ ساز ہوتا، کوئی غمگسار ہوتا

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طرف "الظالم لی" "گنہگار میرا ہے" کہہ کر گناہ گاروں کو عفو و مغفرت کے گہرے سایہ میں پناہ ملنے کا آسرا مہیا فرما دیا۔ دوسری طرف غلط کاروں اور گناہ گاروں کے ساتھ آپؐ انتہائی شفقت اور ہمدردی کے ساتھ معاملہ فرماتے تھے۔

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ قانون شکنی کی صورت میں آپ کسی رشتہ داری، دوستی، یا وجاہت کا لحاظ فرما کر مجرم کو سزا دینے میں کوئی نرمی برت جائیں۔

معاشرہ میں اگر قانون شکن افراد کے ساتھ بے جا رحمدلی کا برتاؤ کیا جائے تو پورے معاشرہ کا چین و اطمینان خطرے میں پڑ جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین ہونے کے باوجود حدود الٰہی کے بارے میں انتہائی سخت تھے۔

ایک بار فاطمہ نامی ایک با اثر قریشی عورت نے چوری کی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے پیارے صحابی اسامہ رض جو آپؐ کے منہ بولے بیٹے حضرت زید کے صاحبزادے تھے، حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپؐ ان کی سفارش سُن کر سخت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ پہلی اُمتیں اسی وجہ سے ہلاک ہوئیں کہ بے حیثیت مجرموں کو سزا دی جاتی تھی اور با اثر لوگ سزا سے بچ جاتے تھے۔ پھر آپؐ نے فرمایا کہ خدا کی قسم اگر محمد کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو مَیں اس کا ہاتھ کاٹ دیتا۔

اجتماعی ماحول کے ذریعہ اصلاح

عمومی اصلاح کے لیے یہ لازمی ہے کہ معاشرہ کا ماحول ایسا بنا دیا جائے جس میں برائی پنپ نہ سکے لیکن بھلائیاں نشوونما پائیں اس مقصد کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلم معاشرہ کے ہر فرد میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی روح پھُونک دی اور ہر شخص کو اپنے اپنے دائرہ میں ذمہ دار اور جواب دہ قرار دیا۔

کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ۔ تم میں سے ہر شخص ذمہ دار ہے اور ہر ایک سے اس کے حلقۂ اثر کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔

آپؐ نے کلمۂ حق نہ کہنے والے کو گونگا شیطان قرار دیا۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ ترک کر دینے کی صورت میں ایسے عذاب سے خبردار کیا، جو پوری قوم کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے۔ اس طرح سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی عقائد کی ہمہ گیری اور وحی الٰہی کی دستگیری کے علاوہ تعلیم و تربیت کے بہترین اصولوں سے کام لے کر اصلاح و انقلاب کا وہ اعلیٰ نمونہ پیش کیا کہ دنیا کی تاریخ جس کی نظیر سے خالی ہے اور جس کے اثرات و نتائج قیامت تک دنیا کے ہر گوشے میں محسوس کیے جائیں گے۔

اللهم صل وسلم علیٰ نبیک ورسولک محمد وعلیٰ اٰلہ واصحابہ اجمعین

(بشکریہ ’’فاران‘‘، کراچی)

ہمارا ایمان

ملک محمد اقبال واحد

ہمارا علیٰ وجہ البصیرت ایمان یہ ہے، جس ایمان کا ماخذ علم نہیں العلم ہے اور جو براہِ راست خالقِ کائنات کی جانب سے پوری نوعِ بشری میں سے درجہ اوّل کے قابلِ اعتماد اور حاملِ اعتماد، راست باز، راست گو، راست شعار، راست رو، بلند کردار، الصادق، الامین، خلاصہ کائنات، فخرِ موجودات، دانائے حق، دانائے راز، گویا جن کی زندگیاں عظمتِ کردار کا مینار تھیں، نشانِ راہ تھیں، نشانِ منزل تھیں، مخالفین اور موافقین دونوں کے درمیان، خالقِ انس و جان، خالقِ کائنات، ماورائے کائنات کے مامورین فرستادوں نبیوں اور رسولوں کی وساطت سے ایک سے نہیں ایک لاکھ چالیس ہزار یا چوبیس ہزار سے جن کے ادوار مختلف تھے، ممالک و امصار مختلف تھے، زمان و مکان مختلف تھے، اندازِ بیان مختلف تھے، اندازِ کلام مختلف تھے، وصول وحصول ہوا ہے، کہ یہ کائنات ماورائے کائنات درمیان کائنات ہر شے مع انسان آج جس شکل و صورت میں، سیرت و صلاحیت میں، علم و عقل میں، جسم و جسد میں موجود ہے، اس ذات کے امر و حکم سے جو اپنی ذات میں آپ واجب الوجود ہے، ہمہ صفت موصوف ہے، ستودہ صفات ہے، بے مثل و بے مثال ہے، بے مثیل و بے نظیر ہے، واحد و احد ہے، یکتا و یگانہ ہے، ذی الطول و ذی الجلال والاکرام ہے، قادر و قدیر ہے، فاطر و بدیع ہے، حیّ و قیوم ہے، خالق و باری ہے، عدم سے وجود میں لائی ہے۔ نیست سے ہست میں لائی ہے، نابود سے بود میں لائی ہے۔ کسی بندر کسی گوریلے کسی شمپانزی سے اس کا کوئی رشتہ نہیں ہے۔ یہ مخلوق بذاتِ خود اوّل روز سے مخلوق ہے اور تمامی مخلوقات سے ممتاز ہے، ممیز ہے، برتر ہے، بلند تر ہے، بالا ہے، بالاتر ہے، افضل ہے، اعلیٰ ہے، احسن الخلق ہے، احسن الخَلق ہے، احسن التقویم ہے۔ پوری کائنات کی ہر شے اس کی خدمت گزاری کے لئے ہے۔ اور یہ اپنے اختیار تمیزی کی بنا پر اپنے خالق کی مشیئت کو پورا کرنے کی مکلف ہے۔

دوسری بات جس پہ ہمارا ایمان ہے وہ یہ ہے کہ وہ ذات بزرگ و برتر جو کائنات کو اور اس کائنات کے سربراہ انسان کو عدم سے وجود میں لائی ہے۔ عدم سے وجود میں لانے کے بعد معطل ہو کر نہیں رہ گئی ہے۔ فارغ ہو کر نہیں بیٹھ گئی ہے۔ وہ ذات كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ ہے۔ وہ ذات اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ہے۔ وہ علیم ہے، خبیر ہے، بصیر ہے، حیی ہے، قیوم ہے۔ پوری کی پوری کائنات ہر شے ذی روح یا غیر ذی روح کا ایک ایک وجود، ذرّوں کا ایک ایک ذرّہ، قطروں کا ایک ایک قطرہ، پتھروں کا ایک ایک ریزہ، درختوں کا ایک ایک پتہ، ایک ایک جاندار اور ایک ایک بے جان، اپنے اپنے وجود، اپنے وظائفِ طبعی، اپنے وظائفِ نوعی کے ساتھ اپنے جذبات، اپنے میلانات، اپنے کردار، اپنی رفتار، اپنی گفتار، اپنے ہر سکون، اپنی ہر حرکت، اپنی ہر کوشش، اپنی ہر کاوش، اپنی ہر سعی، اپنی ہر جہد، اپنی ہر طلب، اپنی ہر خواہش، اپنے ہر حال میں، اپنے ہر قال میں، اپنے ہر کام میں، اپنے ہر انجام میں، اپنے ہر دن اور اپنی ہر رات میں، اپنی مہد سے لے کر لحد تک اور لحد سے لے کر قیامت تک، اپنی بقا سے لے کر فنا تک، اس بصیر خبیر علیم کی نگاہ کی زد میں ہے۔ جو اس کائنات کا خالق ہے، مالک ہے، پروردگار ہے اور ایسے ہے جیسے ایک آدمی کے سامنے کھلا ہاتھ ہوتا ہے۔ گویا کائنات کی ہر شے اس کے سامنے کف دست کی مانند ہے۔ کائنات کی ہر شے میں انسان کے وجودِ ظاہری اور باطنی میں ہر لمحہ، ہر لحظہ، ہر ثانیہ جو تغیرات ہو رہے ہیں۔ ان میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جو اس کے علم و آگہی میں نہ ہو، اس کا علم ناپیدا کنار، اس کی قدرت حدود فراموش، اس کی ذات بے نہایت، اس کی صفات لامحدود و ازلی، ابدی، لافانی، باقی ہمیشہ کے لئے بقا آشنا۔

تیسری بات جس پہ ہمارا ایمان ہے۔ کہ اس ذاتِ عالی کی منجملہ صفات میں کوئی اس کا شریک نہیں ہے، کوئی ساجھی نہیں ہے، کوئی ساتھی نہیں ہے، کوئی نصیر نہیں ہے، کوئی ظہیر نہیں ہے، کوئی مددگار نہیں ہے، کوئی رستگار نہیں ہے، کوئی ولی نہیں ہے، کوئی والی نہیں ہے، کوئی کفو نہیں ہے، کوئی ضد نہیں ہے، کوئی ند نہیں ہے۔ نہ کوئی رسول، نہ کوئی نبی، نہ کوئی صدیق، نہ کوئی شہید، نہ کوئی صالح، نہ کوئی مومن نہ کوئی جن نہ کوئی فرشتہ۔

چوتھی بات جس پہ ہمارا ایمان ہے وہ یہ ہے کہ مالک وہ ہے، خالق وہ ہے اگر

وہ ہے، حاکم وہ ہے۔ کائنات کی ہر شے اس کی ملکیت ہے۔ انسان محض امین ہے اور وہ بھی وقت موقّت کے لئے جس کے بعد اسے امانت دینے والے کے سامنے جوابدہ ہونا ہے۔ حکم اس کا حکم ہے، قانون اس کا قانون ہے، دستور اس کا دستور ہے، نظامِ زندگی، ضابطۂ حیات، طرزِ عمل و فکر کا شارح اس ذات کے سوا اور کوئی نہیں ہے جو اس حق کا اقرار کرتا ہے، تصدیق کرتا ہے، تعمیل کرتا ہے وہ مومن ہے مسلم ہے۔ جو انکار کرتا ہے وہ کافر ہے، منکر ہے۔ کسی فرد کو کسی ذات کو کسی مجموعہ افراد کو کسی مجازی حاکمیت کو کسی مجازی بالادستی کو یہ حق نہیں پہونچتا کہ وہ خدا کے بندوں پر اپنا حکم چلائے۔ ان کو اپنے قانون، اپنے دستور، اپنے نظامِ زندگی کا پابند بنائے، ان کو اپنا بندہ جانے اور سمجھے تا بہ دیگراں چہ رسد، رسول اور نبی کو بھی یہ حق نہیں پہنچتا جبکہ رسول اور نبی تو آتے ہی اس لئے ہیں اور آئے ہی اس لئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کے ان حقوق کو بحال کریں۔ جو صدیوں سے جبّاروں، قہاروں، ظالموں، فرعونوں، قارونوں، نمرودوں، شدّادوں، طالع آزما حکمرانوں، بندگانِ درہم و دینار کے استحصال اور استیصال کی زد میں تھے۔

پانچویں بات جس پر ہمارا ایمان ہے وہ یہ ہے کہ انسانی راہِ عمل کے لئے طرزِ فکر و کردار کے لئے اس کے مالک کی جانب سے جو ہدایت نامے کتابوں اور صحیفوں کی شکل میں اس کے پاک باز، پاک نہاد، پاک سیرت، پاک صورت، پاک کردار بندوں انبیاء و رسل کے ذریعے آئے۔ وہ انسانی زندگی کی فوز و فلاح، دنیا و آخرت کے لئے ابتدائی، آخری، قطعی اور لازمی دستور العمل ہیں۔ جن میں سے پہلی تین کتابیں تو محرف ہو چکی ہیں۔ جن پر اجمالی ایمان کافی ہے لیکن جہاں تک خالقِ کائنات کی آخری کتاب القرآن الحکیم کا تعلق ہے۔ وہ خالق کائنات کے تحفظ میں ہے۔ اس کے بارے میں تحریف کا گمان تک نہیں کیا جا سکتا۔ اور وہ کتاب محض کتاب ہی نہیں ہے "الکتاب" ہے۔ جو براہ راست صحیفہ خداوندی ہے۔ جو انسانی زندگی کے تمام تر گوشوں کے قریب تر گوشوں، بعید تر گوشوں شعبوں کے لئے اپنی ہدایات و تعلیمات میں ایک کامل اور مکمل نظامِ زندگی کی حامل ہے۔ وہ ایک ایسا الحق ہے کہ اس سے باہر کسی حق کا تصور تک کرنا محال ہے۔ وہ اس قدر جامع ہے کہ اپنی جامعیت میں پوری نوع انسانی کی زندگی خواہ اس کا تعلق انفراد سے

ہو یا اجتماع سے زندگی کی شبِ تیرہ و تار میں وہ مشعل راہ ہے کہ اس کے بعد اگر اور کوئی مشعل راہ ہے تو وہ محض ظلمت کی ہے۔ راہ کو مزید ظلمت بدوش کر رہی ہے۔

آخری بات جس پہ ہمارا ایمان ہے وہ یہ ہے کہ یہ دنیا، یہ کاروبارِ دنیا و آخرت اپنی تمام تر دل فریبیوں، دلکشیوں کے ساتھ محض ایک وقتِ موقت، ایک وقتِ مقرر ایک وقتِ متعین کے لئے ہے۔ انسان عرصۂ امتحان میں ہے۔ عرصۂ محشر میں ہے۔ مرحلۂ آزمائش و ابتلاء میں ہے۔ کائنات فانی ہے۔ آخرت باقی ہے۔ زندگی کو موت نہیں ہے۔ حیاتِ جاوید تخلیقِ ثانی کی شکل میں عنقریب ہے۔ حساب ہے۔ احتساب ہے۔ محاسبہ اعمال قطعی ہے اور محاسبہ اعمال کے نتیجہ میں پاداشِ عمل فرد رہے۔ جس کی دو شکلیں ہیں۔ ایمان اور حسن کردار کے نتیجہ میں مقامِ ابدی و سرمدی، عدم ایمان اور اعمال سوء کے نتیجہ میں مقام ابدی اور لازمی جان سوز اور روح سوز۔

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب

کے

دروس قرآن، تقاریر اور خطاباتِ جمعہ

کے کیسٹوں کی مکمل فہرست ہم سے طلب فرمائیں

مزید براں

منتخب نصاب (مکمل) کے دروس

کے کیسٹ کا سیٹ بھی دستیاب ہے

نشر القرآن کیسٹ سیریز

قرآن اکیڈمی، ۳۶-کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور

نیز یہ کیسٹ شائننگ ٹریڈرز، رفیع مینشن بالمقابل آرام باغ کراچی سے بھی حاصل کئے جا سکتے ہیں۔

اظہارِ حق

قادیانیت : اپنے لٹریچر کے آئینے میں

از: قاری نصیر احمد غزنوی ——— قسط : ۴

مرزا غلام احمد قادیانی صاحب کے مبعوث ہونے کی وجہ اور وقت

مرزا صاحب اور انگریزی سلطنت

اِنَّا عَلٰی ذَھَابٍ بِہٖ لَقَادِرُوْنَ ۔

اس آیت کے اعداد بحساب جمل ۱۲۷۴ ہیں اور ۱۲۷۴ کے زمانہ کو جب عیسوی تاریخ میں دیکھنا چاہیں تو ۱۸۵۷ء ہوتا ہے سو در حقیقت ضعفِ اسلام کا ابتدائی زمانہ یہی ۱۸۵۷ء ہے جس کی نسبت خدا تعالیٰ آیت موصوفہ بالا میں فرماتا ہے کہ جب وہ زمانہ آئے گا تو قرآن زمین پر سے اٹھا لیا جائے گا۔ سو ایسا ہی ۱۸۵۷ء میں مسلمانوں کی حالت ہو گئی تھی کہ بجز بد چلنی اور فسق و فجور کے اسلام کے رئیسوں کو اور کچھ یاد نہ تھا جس کا اثر عوام پر بھی بہت پڑ گیا تھا۔ انہیں ایام میں انہوں نے ایک ناجائز اور ناگوار طریقہ سے سرکار انگریزی سے باوجود نمک خوار اور رعیت ہونے کے مقابلہ کیا۔ حالانکہ ایسا مقابلہ اور ایسا جہاد ان کے لیے شرعاً جائز نہ تھا۔ اس گورنمنٹ کے مقابلے پر سر اٹھانا جس کی وہ رعیت ہے اور جس کے زیر سایہ امن و آزادی سے زندگی بسر کرتی ہے سخت حرام ہے۔ اور معصیت کبیرہ اور ایک نہایت مکروہ بدکاری ہے۔ جب ہم ۱۸۵۷ء کی سوانح دیکھتے ہیں اور اس زمانے کے مولویوں کے فتوے پر نظر ڈالتے ہیں جنہوں نے عام طور پر مہریں لگا دی تھیں جو انگریزوں کو قتل کر دینا چاہیئے تھے تو ہم بحرِ ندامت میں ڈوب جاتے ہیں کہ یہ کیسے مولوی تھے۔ ان لوگوں نے چوروں اور قزاقوں اور

حرامیوں کی طرح اپنی محسن گورنمنٹ پر حملہ کرنا شروع کیا اور اس کا نام جہاد رکھا۔ بلاشبہ ہم یہ داغ مسلمانوں خاص کر اپنے مولویوں کی پیشانی سے دھو نہیں سکتے۔ اس میں بلاشبہ کتابِ الٰہی کے لیے ضروری ہے کہ اس کی ایک نئی اور صحیح تفسیر کی جائے کیونکہ حال میں جن تفسیروں کی تعلیم دی جاتی ہے وہ نہ اخلاقی حالت کو درست کر سکتی ہیں اور نہ ایمانی حالت پر نیک اثر ڈالتی ہیں بلکہ فطری سعادت اور نیک روشنی کی مزاحم ہو رہی ہیں۔ انہی معنوں سے کہا گیا ہے کہ آخری زمانہ میں قرآن آسمان پر اٹھا لیا جائے گا۔ پھر انہی حدیثوں میں لکھا ہے کہ پھر دوبارہ قرآن کو زمین پر لانے والا ایک مردِ فارسی الاصل ہوگا۔

(ازالہ اوہام ص ۴۸۹، ۲۴، ص ۴۹۰، ۲۸، ص ۴۹۲، ۲۷، ص ۴۹۳)

نوٹ (وہ مرزا غلام احمد قادیانی صاحب ہیں۔ جو اسی غرض سے مبعوث ہوئے ہیں۔) (ن ا)

محسن اور مربی گورنمنٹ

۱۸۵۷ء میں مفسدہ پرداز لوگوں کی حرکت کو خدا نے پسند نہیں کیا اور آخر طرح طرح کے عذابوں میں وہ مبتلا ہوئے کیونکہ انہوں نے اپنی محسن اور مربّی گورنمنٹ کا مقابلہ کیا۔

مرزا صاحب کے خدائی اصول

خدا تعالیٰ نے مجھے اس اصول پر قائم کیا ہے کہ محسن گورنمنٹ کی جیسا کہ یہ گورنمنٹ برطانیہ ہے سچی اطاعت کی جائے اور سچی شکر گزاری کی جائے۔ سو میں اور میری جماعت اس اصول کے پابند ہیں، چنانچہ میں نے اس مسئلہ پر عملدرآمد کرانے کے لیے بہت سی کتابیں عربی اور فارسی اور اردو میں تالیف کیں۔ اور ان میں تفصیل سے لکھا کہ کیوں کر مسلمانانِ برٹش انڈیا اس گورنمنٹ برطانیہ کے نیچے آرام سے زندگی بسر کرتے ہیں۔ (تحفہ قیصریہ ص ۱۲، ص ۲۶۴/۱۲)

میری نظیر

پس اس گورنمنٹ کی خیر خواہی اور مدد میں کوئی دوسرا شخص میری نظیر اور مثیل نہیں۔ اور عنقریب یہ گورنمنٹ

جان لے گی اگر مردم شناسی کا اس میں مادہ ہے۔ (نور الحق۔ حصہ اول ص ۴۵/۴۵ ص ۳۳ (ترجمہ)

میرے باپ دادوں

گورنمنٹ برطانیہ مجھے اور میرے باپ دادوں کو خوب پہچانتی ہے اور میری راہ اور میرے مدعا کو دیکھ رہی ہے اور میرے اصل اور سرچشمہ کو خوب جانتی ہے۔

(نور الحق۔ حصہ اول۔ ص ۳۵/۳۵ ص ۲۶)

دربار گورنری

میرے والد مرزا غلام مرتضٰے صاحب دربار گورنری میں کرسی نشین بھی تھے اور سرکار انگریزی کے ایسے خیرخواہ اور دل کے بہادر تھے کہ مفسدہ ۱۸۵۷ء میں پچاس گھوڑے اپنی گرہ سے خرید کر اور پچاس جوان جنگجو بہم پہنچا کر اپنی حیثیت سے زیادہ اس گورنمنٹ عالیہ کو مدد دی تھی۔ (تحفہ قیصریہ۔ ص ۲۷/۱۸)

نیا فرقہ

بحضور نواب لفٹیننٹ گورنر بہادر دام اقبالہٗ

(امید رکھتا ہوں کہ اس درخواست کو جو میرے اور میری جماعت کے حالات پر مشتمل ہے غور اور توجہ سے پڑھا جائے۔)

چونکہ مسلمانوں کا ایک نیا فرقہ جس کا پیشوا اور امام اور پیر یہ راقم ہے۔ میں نے قرین مصلحت سمجھا کہ اس فرقہ جدیدہ اور نیز اپنے تمام حالات سے جو اس فرقہ کا پیشوا ہوں، حضور لفٹیننٹ گورنر بہادر کو آگاہ کروں اور یہ ضرورت اس لیے پیش آئی کہ یہ ایک معمولی بات ہے کہ ہر ایک فرقہ جو ایک نئی صورت سے پیدا ہوتا ہے، گورنمنٹ کو حاجت پڑتی ہے کہ اس کے اندرونی حالات دریافت کرے اور بسا اوقات ایسے نئے فرقہ کے دشمن اور خودغرض جن کی عداوت اور مخالفت ہر ایک نئے فرقہ کے لیے ضروری ہے گورنمنٹ میں خلاف واقعہ خبریں پہنچاتے ہیں اور مفتریانہ مخبریوں سے گورنمنٹ کو پریشانی میں ڈالتے ہیں۔

(۱) سب سے پہلے میں یہ اطلاع دینا چاہتا ہوں کہ میں ایک ایسے خاندان میں سے ہوں،

جس کی نسبت گورنمنٹ نے ایک مدت دراز سے قبول کیا ہوا ہے کہ وہ خاندان اوّل درجہ پر سرکار دولت مدار انگریزی کا خیر خواہ ہے۔

(۲) دوسرا امر قابل گذارش یہ ہے کہ میں ابتدائی عمر سے اس وقت تک جو قریباً ساٹھ برس کی عمر تک پہنچا ہوں اپنی زبان اور قلم سے اس اہم کام میں مشغول رہا ہوں کہ تا مسلمانوں کے دلوں کو گورنمنٹ انگلشیہ کی سچی محبت اور خیر خواہی اور ہمدردی کی طرف پھیروں اور ان کے بعض کم فہموں کے دلوں سے غلط خیال جہاد وغیرہ کو رد کروں۔

(درخواست کتاب البریہ۔ ص۳۳۷، ص۱، ص۳۳۸، ص۳۳۹ (اجمالاً)

(۳) مسلمانوں کے تمام فرقوں میں سے گورنمنٹ کا اوّل درجہ کا وفادار اور جاں نثار یہی نیا فرقہ ہے جس کے اصولوں میں سے کوئی اصول گورنمنٹ کے لیے خطرناک نہیں۔ (درخواست کتاب البریہ۔ ص۳۴۳، ص۔)

خود کاشتہ پودہ

(۴) التماس ہے کہ سرکار دولت مدار ایسے خاندان کی نسبت جس کو پچاس برس کے متواتر تجربہ سے ایک وفادار جاں نثار خاندان ثابت کر چکی ہے اور جس کی نسبت گورنمنٹ عالیہ کے معزز حکام نے ہمیشہ مستحکم رائے سے اپنی چٹھیات میں یہ گواہی دی ہے کہ وہ قدیم سے سرکار انگریزی کے پکے خیر خواہ اور خدمت گذار ہیں۔ اس خود کاشتہ پودہ کی نسبت نہایت حزم اور احتیاط اور تحقیق و توجہ سے کام لے اور اپنے ماتحت حکام کو اشارہ فرمائے کہ وہ بھی اس خاندان کی ثابت شدہ وفاداری اور اخلاص کا لحاظ رکھ کر مجھے اور میری جماعت کو ایک خاص عنایت اور مہربانی کی نظر سے دیکھیں۔ ہمارے خاندان نے سرکار انگریزی کی راہ میں اپنے خون بہانے اور جان دینے سے فرق نہیں کیا اور نہ اب فرق ہے۔ لہٰذا ہمارا حق ہے کہ ہم خدمات گذشتہ کے لحاظ سے سرکار دولت مدار کی پوری عنایات اور خصوصیت توجہ کی درخواست کریں "تا ہر ایک شخص بے وجہ ہماری آبروریزی کے لیے دلیری نہ کر سکے۔ اب کسی قدر اپنی جماعت کے نام ذیل میں لکھتا ہوں۔

(۳۱۶۔ آدمیوں کے نام لکھے ہیں) ۲۴ فروری ۱۸۹۸ء (درخواست کتاب البریہ ص۳۵)

(۵) میری جماعت جیساکہ میں آگے بیان کروں گا، جاہلوں وحشیوں کی جماعت نہیں ہے بلکہ اکثر ان میں سے اعلیٰ درجہ تعلیم یافتہ اور علوم مروّجہ کے حاصل کرنے والے اور سرکاری معزز عہدوں پر فائز ہیں۔ (درخواست کتاب البریہ صـ۳۴۸)

مسیح موعود کا مقصود

میں خدا سے پاک الہام پاکر یہ چاہتا ہوں کہ ان لوگوں کے اخلاق اچھے ہو جائیں اور وحشیانہ عادتیں دُور ہو جائیں اور یہ اپنی اس گورنمنٹ کی ایسی اطاعت کریں کہ دوسروں کے لیے نمونہ بن جائیں اور یہ ایسے ہو جائیں کہ کوئی بھی فساد کی رگ ان میں باقی نہ رہے۔ چنانچہ کسی قدر یہ مقصود مجھے حاصل بھی ہو گیا ہے اور میں دیکھتا ہوں کہ دس ہزار یا اس سے بھی زیادہ ایسے لوگ پیدا ہو گئے ہیں جو میری ان پاک تعلیموں کے دل سے پابند ہیں اور یہ نیا فرقہ مگر گورنمنٹ کے لیے نہایت مبارک فرقہ برٹش انڈیا میں زور سے ترقی کر رہا ہے۔ اگر مسلمان ان تعلیموں کے پابند ہو جائیں تو میں قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ وہ فرشتہ بن جائیں۔ اور اگر وہ اس گورنمنٹ کی سب قوموں سے بڑھ کر خیر خواہ ہو جائیں تو تمام قوموں سے زیادہ خوش قسمت ہو جائیں۔ اگر وہ مجھے قبول کر لیں اور مخالفت نہ کریں تو یہ سب کچھ انہیں حاصل ہو گا۔ مگر میں نہیں کہتا کہ گورنمنٹ عالیہ جبراً ان کو میری جماعت میں داخل کرے۔ (ضمیمہ نمبر ۳ منسلکہ کتاب تریاق القلوب ۔ صـ $\frac{۴۹۲}{۳۶۴}$ ، صـ $\frac{۴۹۳}{۳۶۵}$)

اولی الامر

میری نصیحت اپنی جماعت کو یہی ہے کہ وہ انگریزوں کی بادشاہت کو اپنے اولی الامر میں داخل کریں اور دل کی سچائی سے ان کے مطیع رہیں۔ (ضرورت الامام صـ۲۳ ؍ ۴۹۳ صـ۲۳)

ہم میں سے ہے

اللہ جلّ شانہٗ فرماتا ہے اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ ۔ اولی الامر سے مراد جسمانی طور پر بادشاہ اور روحانی طور پر امام الزماں ہے اور جسمانی طور پر جو شخص ہمارے مقاصد کا مخالف نہ ہو اور اس سے مذہبی فائدہ ہمیں حاصل ہو سکے وہ ہم میں سے ہے۔

(ضرورت الامام صـ۴۹۳ صـ۲۳)

حدیثوں سے انگریزی سلطنت کی تعریف

حدیثوں سے صریح اور کھلے طور پر انگریزی

سلطنت کی تعریف ثابت ہوتی ہے کیوں کہ وہ مسیح موعود اسی سلطنت کے ماتحت پیدا ہوا ہے۔ (تریاق القلوب۔ ص ۱۴۵/۱۷)

حرامی اور بدکار

میں سچ سچ کہتا ہوں کہ محسن کی بدخواہی کرنا ایک حرامی اور بدکار آدمی کا کام ہے۔ سو میرا مذہب جس کو میں بار بار ظاہر کرتا ہوں یہی ہے کہ اسلام کے دو حصے ہیں۔ ایک یہ کہ خدا تعالیٰ کی اطاعت کریں۔ دوسرے اس سلطنت کی جس نے امن قائم کیا ہو جس نے ظالموں کے ہاتھ سے اپنے سایہ میں ہمیں پناہ دی ہو سو وہ سلطنتِ حکومت برطانیہ ہے۔ (شہادت القرآن ص ۳۸/۸۴)

خدا اور رسول کا نافرمان

بارہا اپنی جماعت کو تحریراً و تقریراً بتاکید فرمایا کہ اگر تم میں سے کوئی ایک رائی کے دانہ کے برابر بھی اپنی گورنمنٹ سے منافقانہ روش اختیار کرے گا وہ ہماری جماعت میں شمار نہیں ہوگا اور وہ خدا اور رسول کا نافرمان ہوگا۔ (روئداد جلسہ دعا ص ۵۹/۵)

گورنمنٹ انگریزی کا سچا خیر خواہ

گورنمنٹ یہ خوب جانتی ہے کہ یہ عاجز عرصہ چودہ سال سے برخلاف ان تمام مولویوں کے بار بار یہ مضمون شائع کر رہا ہے کہ ہم لوگ جو گورنمنٹ برطانیہ کی رعیت ہیں ہمارے لیے اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے گورنمنٹ ہذا کے زیرِ اطاعت رہنا اپنا فرض ہے اور بغاوت حرام ہے۔ جو کچھ اس عاجز نے گورنمنٹ انگریزی کا سچا خیر خواہ بننے کے لیے بیان کیا ہے وہ سب سچ ہے۔

(عام اطلاع کے لیے ایک اشتہار ملحقہ سر الخلافہ ص ۴۰۲/۸۸، ص ۴۰۳/۸۹)

جہاد

دوسرا اصول جس پر قائم کیا گیا ہے وہ جہاد کے اس غلط مسئلہ کی اصلاح ہے جو بعض نادان مسلمانوں میں مشہور رہے ہے سو خدا تعالیٰ نے مجھے سمجھا دیا ہے کہ جن طریقوں کو آج کل جہاد سمجھا جاتا ہے وہ قرآنی تعلیم سے بالکل مخالف ہیں۔ (تحفہ قیصریہ۔ ص ۱/۱۰، ص ۲۲۶/۱۰)

ہم بار ہا لکھ چکے ہیں کہ قرآن شریف ہرگز جہاد کی تعلیم نہیں دیتا۔

(ضمیمہ رسالہ جہاد۔ ص ۳۱/۹)

یادِ رفتگاں

حکیم فیض عالم صدّیقی مرحُوم

پروفیسر عبدالرحمٰن

حکیم فیض عالم صدیقی کا شمار ان معدودے چند ہستیوں میں ہوتا ہے کہ جنہیں قدرت غیر معمولی صلاحیتوں سے نواز کر اس دنیا میں بھیجتی ہے۔ ۶ ستمبر ۱۹۸۳ء کو انہیں محلہ مستریاں جہلم کی جامع مسجد میں جس بہیمانہ انداز میں قتل کیا گیا، اس نے ہر صاحب دل کو خون کے آنسو رونے پر مجبور کر دیا ہے۔ قتل کی یہ واردات اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ اس نیم مہذّب معاشرے میں ابھی وہ وسعتِ قلبی اور وسیع النظری پیدا نہیں ہوئی جو رائے کے اختلاف کو خنداں پیشانی سے برداشت کرنا سکھاتی ہے۔ حکیم صاحب کی شخصیت اور ان کے نظریات سے آگہی رکھنے والے اصحابِ علم جانتے ہیں کہ یہ قتل فی الحقیقت حُریّتِ فکر اور اظہارِ رائے کی آزادی کا قتل ہے۔

جب سے انسان کی شعوری تاریخ کا آغاز ہوا ہے اسی وقت سے یہ ہوتا چلا آیا ہے کہ وقت کے مروجہ افکار و نظریات سے اختلاف کرنے والوں کو شدید مصائب اور تکالیف کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ دلیل کے میدان میں شکست کھانے کے بعد ــ رائج الوقت تصوّرات اور نظریات کے پیروکار اپنے مخالفین کو اپنے راستے سے ہٹا دینا ہی اپنے مسئلے کا حل سمجھنے لگتے ہیں لیکن کون نہیں جانتا کہ سقراط کو زہر کا پیالہ پلانے کے باوجود اس کے دشمن اس کے پیغام کو ابدی نیند سلانے سے قاصر رہے۔ رسول عربیؐ کے قتل کے کتنے ہی منصوبے بنے لیکن آپؐ کی انقلابی دعوت پھر بھی دلوں اور ذہنوں مسخر کرتی رہی۔ حکیم فیض عالم صدیقی بھی تاریخی صداقتوں کے سقراط تھے کہ جن کے وجود خاکی میں آہنی گولیوں کا زہر اتار کر موت کی نیند سلا دیا گیا۔ لیکن آپ روشنی فکر کی جو شمع جلا گئے ہیں وہ اب کبھی بجھ نہ سکے گی۔ چراغ سے چراغ جلتے رہیں گے۔ اور سچائی کا سفر جاری رہے گا۔

حکیم صاحب کی زندگی کے واقعات حد درجہ دلچسپ بھی ہیں اور پُراسرار بھی،
ان میں سوز و سازِ رومیؒ کی کیفیت بھی ہے اور پیچ و تابِ رازیؒ کی جھلک بھی۔ درویشی
کا عنصر بھی ہے اور مجاہد کی صفات بھی۔ تحقیق و جستجو کا مادہ قدرت نے آپ کو بڑی فراخدلی
سے ودیعت کر رکھا تھا۔ تاریخ کے گورکھ دھندے ہوں یا فکر و نظر کے، مذہبی
نظریات ہوں یا سیاست کے پیچ و خم، ہر معاملے کی کُنہ اور تہہ تک پہنچنے کی کوشش
کرتے اور تحقیق کی کسوٹی پر اچھی طرح پرکھنے اور جانچنے کے بعد پوری شرح و بسط
سے اس کے حسن و قبح کو کھول کر رکھ دیتے۔ تحقیقِ حق میں آپ نے کن کن وادیوں
کی سیر کی؛ آپ کے حالاتِ زندگی سے اس کا صرف ایک ہلکا سا اندازہ ہی لگایا جا سکتا
ہے۔ جائے پیدائش فتح پور راجوری (مقبوضہ کشمیر) ہے۔ آپ ۱۸ر اپریل ۱۹۱۸ء کو
پیدا ہوئے۔ آپ کے والد قاضی دین محمد اپنے علاقے کی مشہور و معروف شخصیت تھے۔
حکیم صاحب کی ذہنی صلاحیتوں کا اندازہ اسی سے لگایا جا سکتا ہے کہ زمانۂ طالب علمی
ہی میں بیشتر جرائد میں لکھنا شروع کر دیا تھا۔ تعلیمی مراحل سے گزرنے کے بعد ۱۹۳۲ء
میں ہندوؤں کے مرکز کٹھوعہ میں بطور مدرس تعینات ہوئے جہاں ہندو مذہب کا
بھرپور مطالعہ کیا۔ انہی دنوں مسلم کانفرنس کے احیاء اور مسلم کاز کی حمایت میں بیشمار
مقالات لکھے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہندو مذہب کے مطالعہ کے زیرِ اثر رمل، جفر، تعویذ،
گنڈہ بازی اور نقاشی وغیرہ سے بھی شغل جاری رکھا۔ مزید برآں طب کا مطالعہ بھی
جاری رکھا اور اس میں بھی مہارتِ تامہ حاصل کی۔ ۱۹۳۶ء میں انگلش انڈین آرمی میں بھرتی
ہو کر ایک سپاہی کی زندگی اختیار کر لی۔ فوج کی اس زندگی نے آپ کو بائبل اور مرزائیت
کے بھرپور مطالعے کا موقع فراہم کیا۔ اس طرح آپ کو برصغیر کے قدیم اور جدید مذہبی نظریات
اور رجحانات سے خوب آگاہی حاصل ہو گئی۔ کچھ ہی عرصہ بعد طبیعت پر درویشی کا رنگ
اس قدر غالب آیا کہ سبز لباس پہن کر فقیرانہ وضع قطع اختیار کر لی اور اسی حالت میں
۱۹۳۹ء سے لے کر ۱۹۴۲ء تک ہندوستان کے کونے کونے میں گھومتے رہے لیکن
اس دوران بھی زندگی کا مطالعہ و مشاہدہ کھلی آنکھوں اور کھلے دماغ سے جاری رکھا۔
بے شمار ہندو جوگیوں، سنیاسیوں، بیراگیوں، پنڈتوں، مسلمان گدی نشینوں،
پیروں فقیروں اور درویشوں کے پاس اٹھتے بیٹھتے رہے اور ان کی شعبدہ بازیوں اور

"کرامتوں" کا گہری نظروں سے جائزہ لیتے۔ مزید برآں خود بھی حبسِ دم، چلّہ کشی، اوراد و وظائف اور ہپناٹزم وغیرہ کی مشقیں کرتے رہے۔ آپ ہی کے الفاظ میں "اس تمام سیاحت کا ماحصل ان لوگوں کی ظاہری اور باطنی زندگیوں کا مطالعہ اور طبّی تجربات سے استفادہ تھا۔ چنانچہ ان لوگوں کے استدراجی ہتھکنڈوں سے واقف ہونے کے بعد ۱۹۴۳ء سے تقسیم ملک تک درس و تدریس، صحافت اور طبابت میں مشغول رہے۔ قیامِ پاکستان کے بعد کشمیری رہنما چوہدری غلام عباس کے پرائیویٹ سیکرٹری کی حیثیت سے کام کرتے رہے اور تحریک آزادیٔ کشمیر میں بھی ایک سرگرم مجاہد کی حیثیت سے حصّہ لیا۔ اپنے دینی مزاج اور مذہبی رجحانات کے باعث ۱۹۶۲ء میں دھریالہ جالپ ضلع جہلم میں ایک مسجد اور مدرسہ کی بنیاد رکھ کر درس و تدریس میں مشغول ہو گئے لیکن ان کے محققانہ اور بیباک نظریات کی وجہ سے فقہی تقلید اور جمود کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے علماء آپ کی شدید مخالفت پر اتر آئے جن کے اوچھے ہتھکنڈوں سے تنگ آ کر بالآخر آپ جہلم محلہ مستریاں چلے آئے جہاں آپ نے مسجد اور مدرسہ تعمیر کروایا۔ زندگی کے ان تمام نشیب و فراز نے نے بالآخر آپ کو یہی راستہ سمجھایا کہ "صحیح دین صرف کتاب و سنّت پر عمل ہے۔ اس لحاظ سے آپ کی زندگی کا یہ پہلو انتہائی قابلِ تحسین ہے کہ آپ کا مذہب تقلیدی نہیں بلکہ تحقیقی مذہب تھا اور آپ نے اپنے مذہبی نظریات کو تقابلِ ادیان کے مطالعے کے بعد پورے شعور و ادراک کے ساتھ قبول کیا تھا۔

آپ کے وسیع مطالعے کا ماحصل وہ بیسیوں کتب ہیں جو آپ نے انتہائی محققانہ اور فاضلانہ انداز میں لکھی ہیں۔ ان میں سے بیشتر کا تعلق خلافتِ راشدہ اور بنو امیّہ کے زمانۂ اقتدار کے ان اہم واقعات سے ہے کہ جن سے لوگوں کو عقلی سے زیادہ جذباتی اور سیاسی دلچسپی ہے۔ گویا ان واقعات کو مذہب کا تقدس حاصل ہو گیا ہے یہی وجہ ہے کہ جب ایک محقق تاریخ کا ایک غیر جانبدار طالب علم ہونے کی وجہ سے پورے خلوص اور دیانت سے ان تاریخی واقعات کو اس انداز میں پیش کرتا ہے جو مروجہ نظریات اور تصوّرات سے مطابقت نہ رکھتا ہو اور تصویر کا ایک دوسرا ہی رُخ سامنے آتا ہو تو رسوم و قیود کے پجاری، طرزِ کہن پر اس شدت سے اصرار کرتے ہیں کہ مرنے مارنے پر تل آتے ہیں۔ اس حقیقت کے باوجود حکیم صاحب کی یہ جرأت رندانہ ہی تھی کہ جس نے

انہیں انتہائی نازک مسائل پر قلم اٹھانے پر مجبور کیا۔ تاریخ کے وہ مخفی گوشے جو دانستہ یا نادانستہ اوجھل رہے یا رکھے گئے۔ انہیں آپ نے انتہائی عرق ریزی سے کھنگالا اور اپنے نتائج تحقیق مربوط اور منضبط انداز میں بغیر کسی جھجک اور ہچکچاہٹ کے پورے یقین اور اعتماد کے ساتھ بدلائل و براہین پیش کئے۔ چونکہ آپ کی تصانیف نظریات کی ساکن جھیل میں کنکر بن کر گریں۔ اس لئے بہت سے گوشوں سے آپ کے خلاف آوازیں اٹھیں۔ مقام تعجب ہے کہ دلیل کا جواب دلیل سے دینے کی بجائے مخالفت کے روایتی انداز کو ہی اپنانے پر سارا زور صرف کیا گیا۔ راقم کے خیال میں حکیم صاحب کی اس مخالفت کے دو بڑے اسباب ہیں۔ پہلا سبب معاشی ہے اور دوسرا نفسیاتی۔ بدقسمتی سے ہمارے ملک میں نظامِ تعلیم کی کجی، قرآنی تعلیمات سے بے خبری اور ماضی میں ہندوانہ اثرات کے باعث کچھ مذہبی طبقوں میں علماء کی حیثیت مذہبی پنڈتوں اور پروہتوں کے مترادف ہو گئی ہے جن کی معاش کا دارومدار بے سرو پا قصوں اور مذکورہ تاریخی واقعات کی رنگین افسانہ طرازیوں پر منحصر ہے۔ چنانچہ یہ استحصالی طبقہ اپنے مفادات کے تحفظ کے لئے ہر حال میں سچائی پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتا ہے۔ جہاں تک اس کے نفسیاتی پہلو کا تعلق ہے تو چونکہ یہ انسانی کردار کی خامی ہے کہ انسانوں کی اکثریت کا یقین حقائق کی بنیادوں پر استوار ہونے کی بجائے ان کی خواہشات کے تابع ہوتا ہے اور لوگ صرف اسی بات پر یقین کرتے ہیں جس پر کہ وہ یقین کرنا چاہتے ہیں۔ وراثتی اثرات، گھریلو ماحول اور بچپن کی تربیت انسان کی ذہنی ساخت پر بہت حد تک اثر انداز ہوتی ہیں۔ چنانچہ بہت ہی کم لوگ لگی بندھی ڈگر سے ہٹ کر مسائل کا استدراک اور مواجہہ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ یہ صورتحال کم و بیش ہر معاشرے کو درپیش ہے، ان تعلیم یافتہ معاشروں میں بھی جہاں سائنسی طرزِ استدلال عام ہے اور ان ناخواندہ یا کم خواندہ معاشروں میں بھی جہاں سائنسی طرزِ استدلال مفقود ہے۔ مذہبی نظریات کا تعلق چونکہ احساسات اور جذبات سے ہے، اس لئے ایک سائنسدان بھی بسا اوقات مذہب کے بارے میں غیر سائنسی طرزِ عمل اختیار کر لیتا ہے اور موروثی یا ماحولی عقائد کا تعصب ذہن پر حاوی ہو جاتا ہے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ حکیم صاحب کے پیش کردہ مدلّل حقائق

کے باوجود طبقۂ علماء کی اکثریت نے ہٹ دھرمی ہی کا طرزِ عمل اختیار کئے رکھا۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ باشعور اہلِ علم طبقے میں آپ کے نظریات کو خوب پذیرائی حاصل ہوئی۔ علم کے ارتقاء کا یہ لازمی تقاضا ہے کہ غلط نظریات اپنی موت آپ مرتے چلے جاتے ہیں۔ ریسرچ جاری رہتی ہے اور حقائق نئی نئی شکل میں ابھر کر سامنے آتے رہتے ہیں۔

حکیم فیض عالم صدیقی ایک محقق مؤرخ تھے۔ عظمتِ صحابہؓ اور مقامِ صحابہؓ کے شدت سے قائل ہی نہیں بلکہ زبردست نقیب بھی تھے۔ اپنی تمام ذہنی اور جسمانی صلاحیتیں صحابہ کرامؓ کی شرافت و دیانت اور عصمت و عفت کی حفاظت کے لئے صرف کر دی تھیں۔ قوموں کی اجتماعی زندگی میں تاریخ کی اس اہمیت سے آپ بخوبی آگاہ تھے کہ اگر کسی قوم کا رشتہ اس کے ماضی سے منقطع کر دیا جائے یا اس کی ماضی کی تاریخ بدل دی جائے تو مستقبل میں قوموں کے اغراض و مقاصد بھی تبدیل ہو جاتے ہیں۔ اس لحاظ سے تاریخ ایک ایسا علمی سرمایہ ہے کہ جسے بحفاظت جوں کا توں اگلی نسلوں کو منتقل کرنا پہلوں کی ذمہ داری ہے۔ یہ ذمہ داری اس وقت دوچند ہو جاتی ہے جب تاریخ اور مذہب کے مابین بعض پہلوؤں سے ایک گہرا رشتہ بھی ہو۔ ایسی صورتِ حال میں تاریخ ثقافت کی تشکیل میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ محدثین اور مؤرخین نے ممکنہ حد تک تاریخی تسلسل کو برقرار رکھنے کی کوشش کی لیکن اس کے باوجود بھی دشمنانِ اسلام تاریخ کو مسخ کرنے میں کامیاب رہے۔ نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم اور خلافت راشدہ کے زمانہ میں دینِ حق کے قیام و استحکام اور غلبہ و نصرت نے یہودیت اور مجوسیت کے پیروکاروں کو حسد کے مارے انگاروں پر لوٹنے پر مجبور کر دیا لہٰذا دن بدن پھیلتی ہوئی اسلامی سلطنت کے خاتمے اور اسلامی افواج کے بڑھتے ہوئے سیلاب کے آگے بند باندھنے کے لئے انہوں نے زیرِ زمین خفیہ سرگرمیاں شروع کر دیں۔ انہی سازشوں کی ایک کڑی تحریر و تقریر کے ذریعے تاریخ اسلام کو مسخ کر کے مطلوبہ مقاصد حاصل کرنا تھا۔ چنانچہ بڑی چابکدستی اور مہارت سے ہر قسم کا رطب و یابس تاریخ کے صفحات میں داخل کر دیا گیا اور جھوٹ کو سچ ثابت کرنے کے لئے بھرپور پروپیگنڈہ کی ٹیکنیک اختیار کی گئی۔ نتیجۃً دشمنانِ

اسلام اپنے مذموم مقاصد میں کامیاب رہے۔ چنانچہ نہ صرف صدرِ اول میں اسلامی سلطنت کی بنیادیں ہل گئیں بلکہ فتوحات کا سیلاب بھی رک گیا۔ مزید برآں خلافتِ راشدہ کے زمانۂ آخر، بنوامیہ کے زمانہ آغاز میں جن افسوسناک واقعات نے جنم لیا، اسی سازشی گروہ نے ان واقعات کی تشریح و تفسیر اس انداز میں کی کہ جس سے امتِ مسلمہ آج تک گھرے تشتت و افتراق میں مبتلا چلی آرہی ہے۔ اسلام کے خلاف یہودیت اور عجمیت کی یہ سازش بہت گہری تھی کہ جس کی خوفناکی کا احساس آج بھی بہت کم لوگوں کو ہے

حکیم فیض عالم صدیقی نے اپنی تصنیفات کے ذریعے اسی سازش کو بے نقاب کرنے کی کوشش کی لیکن افسوس کہ خود بھی سازش کا شکار ہو گئے۔ حکیم صاحب کے نظریات کوئی صحیفۂ آسمانی نہیں تھے کہ وہ تنقید سے بالاتر ہوتے۔ ہر شخص کو ان پر تنقید کا حق حاصل ہے۔ لیکن اگر یہ حق علمی سطح سے تجاوز کر کے گولی اور بندوق تک وسعت اختیار کر لے تو اس کے نتائج کی ہولناکی کا اندازہ ہر شخص لگا سکتا ہے۔ وحشت و بربریت کی یہ روایت اگر چل نکلی تو شاید کوئی بھی مروجہ تصورات و نظریات سے اختلاف رکھنے والا اس کے اثرات سے محفوظ نہ رہے۔ حکیم صاحب کے خون کی سرخی تعصب اور جہالت کے اندھیروں کے لئے موت کا پیغام ثابت ہو گی کہ

خونِ صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا

عن عبداللہ بن عمرؓ۔ قال، قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

السَّمْعُ وَالطَّاعَةُ

علی المرءِ المسلمِ فیما احبَّ وکرِهَ ما لم یُؤمر بمعصیةٍ

رفتارِ کار

امیرِ تنظیمِ اسلامی کا دورۂ اسلام آباد

رحمت اللہ بٹر

اسلام آباد میں کمیونٹی سنٹر کے ماہانہ پروگرام کے لئے ۲ اگست بروز سوموار امیرِ محترم، بھائی اقتدار احمد صاحب کی گاڑی میں جناب محمد اشرف صاحب اور راقم کے ہمراہ اسلام آباد کے لئے روانہ ہوئے۔ جناب محمد اشرف صاحب سعودی عرب میں ایک بنک میں بہت اچھی پوسٹ پر تھے کہ انہوں نے محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب امیرِ تنظیم اسلامی کے کچھ کیسٹ سنے جن میں سود کی حرمت اور دینی فرائض کی ادائیگی اور ان کی اہمیت کے مضامین تھے۔ ان کے دل میں اللہ تعالیٰ نے ایمان کا جذبہ پیدا کیا اور انہوں نے سعودی عالمِ دین عبدالعزیز بن باز سے بھی رابطہ قائم کیا اور سود کی حرمت کا فتویٰ حاصل کیا۔ اور اپنے بنک کو ایک ماہ کے نوٹس پر استعفےٰ پیش کر دیا۔ آج کل وہ پاکستان اپنے والدین سے ملنے آئے ہوئے ہیں۔ انہوں نے محترم امیرِ تنظیم اسلامی کے ہاتھ پر بیعت کر کے تنظیم اسلامی میں شمولیت اختیار کر لی ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر صاحب نے انہیں اس سفر میں ساتھ چلنے کی دعوت دی اور وہ ہم سفر بن گئے۔ بعد نمازِ عصر کمیونٹی سنٹر میں انجمن خدام القرآن کے اجتماع میں تاخیر سے شرکت ہوئی۔ محترم ڈاکٹر صاحب نے بعد نمازِ مغرب تقریباً ۲ گھنٹے تک سورہ جمعہ کے پہلے رکوع کا درس دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوتِ دین کے طریق کار پر مفصل روشنی ڈالی۔ انہوں نے مسلمانوں کو آگاہ کیا کہ ہمیں کوشش کرنی چاہیئے کہ ہم بھی کہیں اسی مثل نہ ہو جائیں جیسے یہود کے لئے ان آیات میں مثال بیان کی گئی ہے اور قرآن مجید کے صحیح معنوں میں حامل نہیں۔

۴ اکتوبر کو تنظیم اسلامی اسلام آباد اور راولپنڈی کے رفقاء سے ایک خصوصی اجتماع میں شرکت کی درخواست کی گئی۔ تاکہ وہاں کے معاملات پر مشورہ ہو سکے۔ اکثر رفقاء نے اس اجتماع میں شمولیت کی جو تقریباً ۲ بجے فری لینڈ ہائی سکول سٹلائٹ ٹاؤن راولپنڈی میں منعقد ہوا۔ مشاورت کے بعد امیرِ محترم نے اسلام آباد اور راولپنڈی کی تنظیموں کو ایک ہی تنظیم میں مدغم کر دیا جس کے امیر جناب عبدالصمد خان شیروانی اور ناظم بیت المال نوجوان رفیق جناب نعیم احمد کو مقرر کیا گیا۔ تنظیم کو تین اسروں میں تقسیم کر دیا گیا جس کے ناظم جناب رانا عبدالغفور، جناب مقصود الٰہی بھٹی اور جناب بشارت علی مرزا مقرر ہوئے۔

نمازِ عصر کے بعد کھلابٹ ٹاؤن نزد ہری پور کے لئے روانگی ہوئی کیونکہ وہاں پر سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موضوع پر محترم ڈاکٹر صاحب کو خطاب فرمانا تھا۔ اسلام آباد سے جناب محمد اسلم صاحب اور محمد سلیمان صاحب مکتبہ لے کر ساتھ ہو لئے۔ ہمارے ایک نئے رفیق جلیل الرحمان صاحب بھی ساتھ گئے۔ عشاء کی نماز کے بعد خطاب شروع ہوا جس میں کافی لوگوں نے شرکت کی۔ اگرچہ اس احتمال کے پیشِ نظر کہ انتظامیہ اجازت نہ دے گی کوئی پوسٹر یا اعلان عام نہ ہو سکا تھا کھلابٹ اور ہری پور کے بہت سے علماء نے شرکت فرمائی۔ ڈاکٹر صاحب نے ختم نبوت کے لوازمات اور امت کے فرائض بعد ختم نبوت پر تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ تک خطاب فرمایا۔ محترم ڈاکٹر صاحب کو چونکہ بروز بدھ کوئٹہ کے لئے روانہ ہونا تھا اس لئے خطاب

کے فوراً بعد وہ بھائی اقتدار احمد، محمد اشرف صاحب اور جلیل الرحمٰن صاحب کے ہمراہ واپس روانہ ہوگئے۔ راقم الحروف مع اسلام آباد کے دونوں ساتھیوں کے وہیں ٹھہرا اور صبح کچھ دوستوں سے ملاقات کی۔ راقم الحروف بعد میں ایبٹ آباد، مانسہرہ اور پشاور کے تنظیمی دورہ پر روانہ ہوا۔ پشاور کے اجتماع میں شرکت کی اور واپسی پر راولپنڈی میں بھی بروز جمعہ بعد نمازِ مغرب اجتماعِ عمومی میں شمولیت کی۔ اجتماع کے بعد رات ہی کو لاہور واپسی ہوئی اور اس طرح یہ سفر الحمدللہ بخیر و عافیت اختتام پذیر ہوا۔

دیگر تنظیمی سرگرمیاں

ہمارا ملتان اور وہاڑی کا دورہ اس دفعہ تین راتوں اور دو دنوں پر محیط رہا۔ اس ماہانہ دورے میں میرے آخری کے دو ادوساتھی جناب شکیل احمد صاحب (ناظم اسرہ) اور عبدالقدیر صاحب میرے ساتھ لاہور سے روانہ ہوئے اور میرے اصول کے ساتھی شیخ حفیظ صاحب پہلے ہی ملتان پہنچ چکے تھے۔ علی الصبح ہم امیر تنظیم اسلامی ملتان جناب کرنل ڈاکٹر حافظ غلام حیدر ترین صاحب کے ہاں پہنچے، ناشتہ کیا۔ کرنل صاحب نے ہماری آمد کے تسلسل پر قدرے تعجب کا اظہار کیا کہ ہمیں ایسی جگہوں پر جانا چاہیئے جہاں نئے ساتھی ہوں اور خصوصی تربیت کی ضرورت ہو۔ ملتان میں کام ٹھیک چل رہا ہے اور اس کی ماہانہ رپورٹ بھی مرکز کو پہنچ رہی ہے۔ بہرحال ڈاکٹر ترین صاحب کے ہاں ناشتہ کیا اور بھائی باجد خاکوانی صاحب کے ہاں پہنچے۔ وہ بڑے تپاک سے ملے اور حسبِ معمول میزبانی فرمائی۔ مہمان خانہ دے دیا ہم راستے کی تکان دور کرنے سے لیٹ گئے۔ اس کے بعد فرداً فرداً ہم خاکوانی صاحب کے ہمراہ، ہر رفیق کے ہاں گئے۔ دوپہر کے کھانے کے بعد آرام کیا اور بعد نمازِ عصر شادی بیاہ کی تقریبات میں اصلاح کے موضوع پر رفقائے ملتان کی پہلے سے طے شدہ میٹنگ میں ہم بھی شریک ہوگئے۔ راقم الحروف نے شادی بیاہ کی رسومات والا پمفلٹ پڑھا اور پھر بات چیت شروع ہوئی۔ امیر تنظیم اسلامی ملتان کا موقف یہ تھا کہ ہمیں فی الفور امیر تنظیم کے دیئے ہوئے اسلامی پروگرام پر عمل شروع کر دینا چاہیئے جبکہ باقی رفقاء ملتان اس میں تدریج کے قائل تھے اور محرماتِ صریحہ سے شروع کر کے مکروہات کی طرف بڑھنے کے عمل کو اختیار کرنے کو مطابقِ مصلحت سمجھتے تھے۔

نمازِ مغرب کے بعد برادرم شکیل احمد صاحب نے تنظیم اسلامی کی دعوت قرآنی اصطلاحات کے حوالے سے بیان کی۔ تمام شرکاء نے رات کا کھانا وہیں کھایا اور بعد نمازِ عشاء ہم واپس خاکوانی صاحب کے ہاں آ گئے۔ صبح جمعۃ المبارک تھا اور شکیل احمد صاحب کو جمعہ امیر تنظیم کی عدم موجودگی کے باعث مسجد دارالسلام میں پڑھانا تھا اس لئے وہ واپسی کے لئے تیار ہوئے اور حفیظ صاحب نے بھی ان کی معیت اختیار کی۔ راقم اور عبدالقدیر صاحب علی الصبح وہاڑی روانہ ہوگئے۔

وہاڑی میں ڈاکٹر منظور صاحب سے ملاقات ہوئی۔ ہم نے کچھ دیر آرام کیا۔ ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ سب رفقاء کو ہماری آمد کی اطلاع ہے وہ خود ہمیں ملنے آئیں گے۔ وہ جلد ہی تشریف لے آئے اور دوپہر کے کھانے تک ان سے بات چیت ہوتی رہی۔ جس میں تفصیل کے ساتھ وہاڑی کے حالات معلوم ہوئے۔ کام کی رفتار اور اس کے لئے اختیار کئے جانے والے ذرائع کے متعلق دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ وہاڑی والے رفقاء کام تو بہت کر رہے ہیں۔ ان کا باہمی تعاون اور محبت و یگانگت بھی بالکل ایک کنبے کی طرح ہے۔ مگر معاشرے کی طرف سے خاطر خواہ جواب نہیں مل رہا۔ بقول ڈاکٹر صاحب جہالت اور پارٹی بازی کام میں بہت بڑی رکاوٹیں ہیں۔

نمازِ جمعہ سے فارغ ہونے کے بعد پھر خصوصی اجتماع ہوا۔ رفقاء نے قرآن مجید کا یاد کردہ حصہ سنایا۔ ڈاکٹر منظور صاحب نے مجھے سورۂ تغابن کا ترجمہ کرنے کو کہا۔ رفقاء نے پروگرام کے مطابق سورۃ العصر کا مذاکرہ کیا۔ ایک حدیث شریف کا تفصیلی مطالعہ کیا گیا۔ آخر میں ڈاکٹر صاحب کے کہنے پر سوال و جواب کا سلسلہ شروع ہوا جس میں راقم حتی الوسع تسلی بخش جواب دینے کی کوشش کرتا رہا۔ منظور صاحب نے تجویز پیش کی کہ مرکز سے تربیت یافتہ افراد کو دوسرے شہروں میں کچھ روز کے لئے آکر رہنا چاہیے تاکہ وہ نئے افراد کی تربیت اور رفقاء اور دوسرے افراد کے ذہنوں میں پیدا ہونے والے اشکالات رفع کر سکیں۔ ہم شام کو واپس ملتان خاکوانی صاحب کے ہاں پہنچے اور رات ہی واپس لاہور کی راہ لی ــــــ!!

مرتب : ڈاکٹر وقار احمد

★★

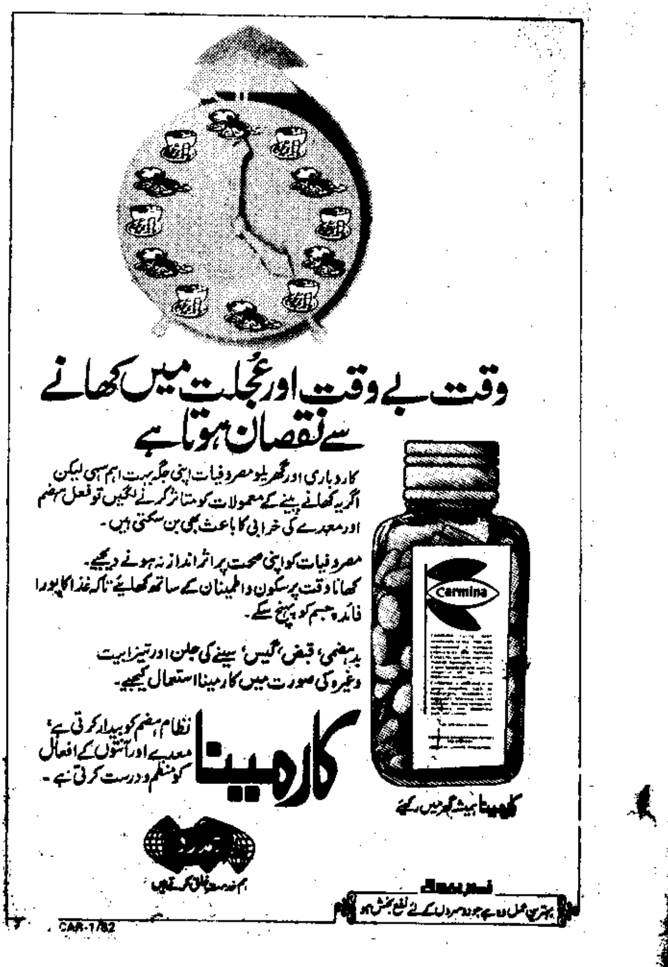

PEPSI

MIRINDA

پنجاب بیوریجز کمپنی لمیٹڈ۔ فیصل آباد۔ فون: ۲۶۰۳۱
۲۳۹۳۱

وَأَنْزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ

(الحدید: ۲۵)

اور ہم نے لوہا اتارا

جس میں بڑی قوت بھی ہے اور لوگوں کے لیے

بڑے فوائد بھی ہیں۔

اتفاق فاؤنڈریز لمیٹڈ

۳۲- ایمپرس روڈ - لاہور

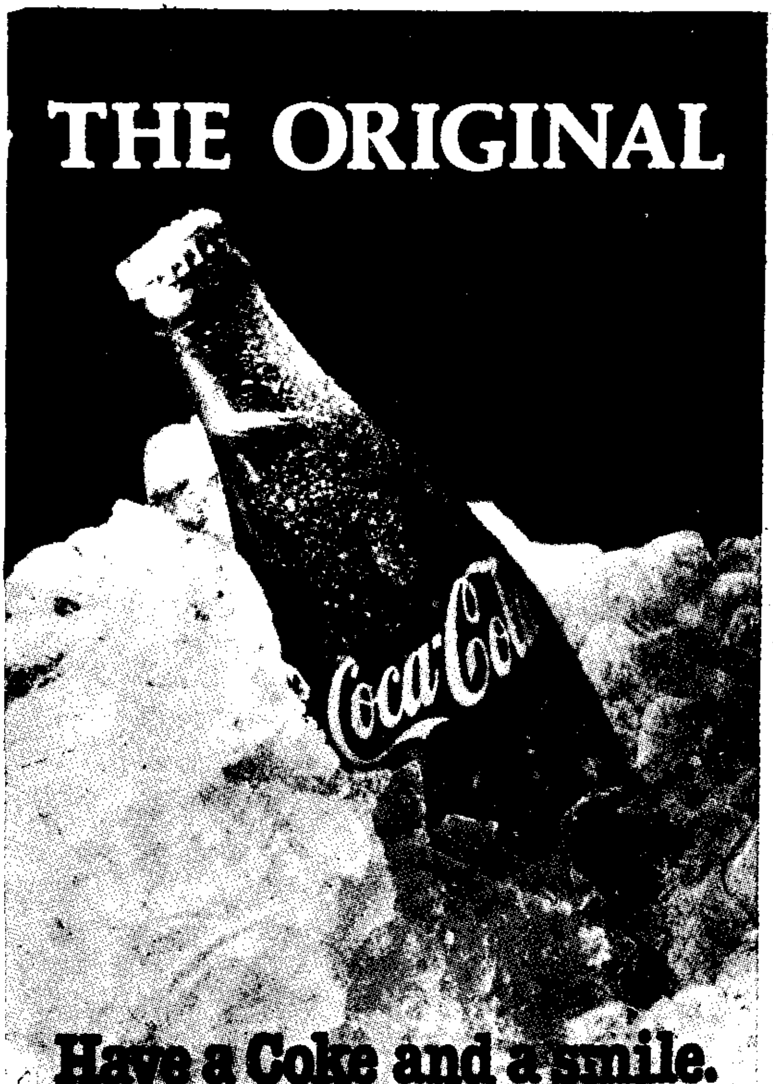
THE ORIGINAL
Coca-Cola
Have a Coke and a smile.
"COCA-COLA" AND "COKE" ARE THE REGISTERED TRADE-MARKS WHICH IDENTIFY THE SAME PRODUCT OF THE COCA-COLA COMPANY.

paragon

ٹینٹ اور ترپال

بنانے کا ممتاز ادارہ

ایچ نظام دین اینڈ سنز

مرکزی دفتر

محمد بن قاسم روڈ۔ کراچی

عن انسؓ عن النبی صلے اللہ علیہ وسلم

قال

لایؤمن احدکم حتی یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ

(رواہ البخاری)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، تم میں سے ایک شخص اس وقت تک (کامل) مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لئے وہ چیز پسند نہ کرے جسے وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

رشید جیولری ہاؤس

لاہور

ٹمپل روڈ — سوہا بازار

۳۱۱۴۴۰ — ۳۰۴۳۳۳ — ۶۴۴۳۳ — ۵۶۴۷۹

پروپرائیٹر

اے وحید

آپ کو پرلیسٹر لیسڈ کنکریٹ کے معیاری

گارڈر، بلے اور سلیب وغیرہ

درکار ہوں تو وہاں تشریف لے جائیے جہاں

اظہار لمیٹڈ کی تیار چھتیں

کا بورڈ نظر آئے

صدر دفتر : ۶ - کوثر روڈ - اسلام پورہ (کرشن نگر) لاہور

فون:- ۶۹۵۲۲ ۶۱۵۱۴

- پچیسواں کیلومیٹر - لاہور شیخوپورہ روڈ
- جی-ٹی روڈ کٹھالہ (نزد ریلوے پھاٹک) گجرات
- پچیسواں کلومیٹر شیخوپورہ روڈ - فیصل آباد -
- فیروزپور روڈ - نزد جامعہ اشرفیہ - لاہور - فون:- ۴۱۳۵۶۹
- شیخوپورہ روڈ - نزد نیشنل ہوزری فیصل آباد - فون:- ۵۰۶۲۶
- جی-ٹی روڈ - مریدکے - فون : ۷۰۰۳۸۹
- جی-ٹی روڈ - سرائے عالمگیر
- جی-ٹی رود - سواں کیمپ - راولپنڈی = فون:- ۶۸۱۲۷

جاری کردہ: مختار سنز گروپ آف کمپنیز

Regd. L. No. 7360

MONTHLY "MEESAQ" LAHORE

Vol. 32	NOVEMBER 1983	No. 11

قدرتی گیس کا ضیاع روکیئے

ہمارے توانائی کے وسائل محدود ہیں ہم توانائی کے ضیاع کے متحمل نہیں ہو سکتے

گیس بچاکر
قومی معیشت کو
مستحکم بنائیے

ہمارے ملک میں توانائی کے وسائل کی کمی ہے۔ توانائی کی ضروریات کثیر زر مبادلہ صرف کر کے پوری کی جاتی ہیں۔ ہماری صنعت، تجارت، زراعت کے شعبوں میں توانائی کی مانگ روز بروز بڑھتی جارہی ہے۔ آپ کی بچائی ہوئی توانائی ان اہم شعبوں کے فروغ میں کام آئے گی۔

قدرتی گیس بہت زیادہ
قیمتی ہے۔
اسے ضائع نہ کیجئے

سوئی ناردرن گیس پائپ لائنز لمیٹڈ